انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

جلد: ۳، شمارہ: ۴، دسمبر ۲۰۱۸ء / ربیع الاوّل۔ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ

انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپئے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۶)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵
افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۳)	ظفر احمد الاثری	۱۵
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جدو جہد	ذوالفقار علی فلاحی	۲۵
جہیز۔ مسلم سماج میں موجود ایک بھیانک برائی	سراج احمد برکت اللہ فلاحی	۳۰
اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات (۲)	ضمیر الحسن خان فلاحی	۳۵
امن کا قرآنی تصور	ڈاکٹر احسان اللہ فہد	۴۸
اعراب القرآن اور علامہ فراہیؒ	ابوالاعلی سید سبحانی	۶۴
نایاب خطوط	ادارہ	۷۳
شعر ونغمہ	احسان الحق عارف آئی، سید راشد حامدی، عزیز نبیل	۸۰
تعارف وتبصرہ	سعید اختر اعظمی	۸۳
آپ کے خطوط	ادارہ	۸۶
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۸۷

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اپنی بات

دعوت دین کا کام محض ایک نظریاتی کام نہیں ہے کہ مخاطب کے سامنے بہت ہی مدلل طور پر اس کو پیش کر دیا جائے اور بس کام ختم، بلکہ اس کے نظریاتی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کا ایک عملی پہلو بھی ہے، ایک کام دعوت کرتی ہے اور ایک کام داعی کا ہوتا ہے، دعوت سے قرآن مجید کی نمائندگی ہوتی ہے اور داعی کے ذریعہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ قرآن مجید ایک تھیوری ہے، تو آپ ؐ کی زندگی اس کی عملی تصویر۔

یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ تمام ہی انبیاء کرام اور پھر اس امت کے متقدمین میں سے داعیان عظام کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوت اور ان کے کردار میں کس قدر ہم آہنگی تھی۔ قول وعمل کا تفاوت داعی کے پیغام کو بری طرح متاثر کر دیتا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ داعی کی زندگی اس کی دعوت کے عین مطابق ہو، اور اس کے عمل اور کردار سے دعوت دین کا کام خود بخود اور ہمہ وقت انجام پاتا رہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ ''دعوت دین اور اس کا طریقہ کار'' میں منافقین اور یہود کے علماء کے یہاں موجود قول وعمل کے تضاد اور دورنگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس آدمی یا جس گروہ کا رویہ اس کی دعوت کے خلاف ہے وہ درحقیقت اپنی دعوت کی تردید کے دلائل خود پیش کرتا ہے، اور عمل کی دلیل چونکہ قول کی دلیل سے زیادہ قوی ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعوے کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لیے کسی اور حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مسلمان اگر اللہ کے دین کے شاہد ہیں تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس پر ایمان بھی لائیں، اس کی دعوت بھی دیں، اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں اس پر عمل بھی کریں۔ ورنہ اس شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جس پر اللہ تعالی نے ان کو مأمور کیا ہے''۔ (صفحہ ۳۰ ؍)

مولانا مودودی علیہ الرحمہ کی کتاب ''شہادت حق'' میں قولی اور عملی دعوت پر اچھی گفتگو ہے، لکھتے ہیں:

''شہادتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قولی شہادت، دوسرے عملی شہادت۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان اور قلم سے دنیا پر اس حق کو واضح کریں، جو انبیاء کے ذریعے سے ہمیں پہنچا ہے۔ سمجھانے اور دل نشین کرنے کے جتنے طریقے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر، تبلیغ ودعوت اور نشر واشاعت کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سب کو استعمال کر کے، علوم وفنون نے جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ سب اپنے ہاتھ میں لے کر ہم دنیا کو اس دین کی تعلیم سے روشناس کریں جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ فکر واعتقاد میں، اخلاق

وسیرت میں، تمدن ومعاشرت میں، کسب معاش اور لین دین میں، قانون اور نظم عدالت میں، سیاست اور تدبیر مملکت میں اور بین الانسانی معاملات کے تمام دوسرے پہلوؤں میں، اس دین نے انسان کی رہنمائی کے لیے جو کچھ پیش کیا ہے اسے ہم خوب کھول کھول کر بیان کریں۔ دلائل اور شواہد سے اس کا حق ہونا ثابت کریں اور جو کچھ اس کے خلاف ہے اس پر معقول تنقید کر کے بتائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے۔''

عملی شہادت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان اصولوں کا عملاً مظاہرہ کریں جن کو ہم حق کہتے ہیں۔ دنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا ذکر نہ سنے بلکہ خود اپنی آنکھوں سے ہماری زندگی میں ان کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کر لے۔ وہ ہمارے برتاؤ میں اُس شیرینی کا ذائقہ چکھ لے جو ایمان کی حلاوت سے انسان کے اخلاق و معاملات میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود دیکھ لے کہ اس دین کی رہنمائی سے اچھے انسان بنتے ہیں۔ کیسی عادل سوسائٹی تیار ہوتی ہے۔ کیسی صالح معاشرت وجود میں آتی ہے۔ کس قدر ستھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے۔ کیسے صحیح خطوط پر علوم و آداب اور فنون کا نشو ونما ہوتا ہے۔ کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور بے نزاع معاشی تعاون رونما ہوتا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سدھر جاتا ہے، سنور جاتا ہے اور بھلائیوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس شہادت کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت پر مجسم شہادت بن جائیں۔ ہمارے افراد کا کردار اس کی صداقت کا ثبوت دے۔ ہمارے گھر اس کی خوشبو سے مہکیں۔ ہماری دوکانیں اور ہمارے کارخانے اس کی روشنی سے جگمگائیں۔ ہمارے ادارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منور ہوں۔ ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے۔ ہماری قومی پالیسی اور اجتماعی سعی و جہد اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہو۔ غرض ہم سے جہاں اور جس حیثیت میں بھی کسی شخص یا قوم کو سابقہ پیش آئے، وہ ہمارے شخصی اور قومی کردار میں اس بات کا ثبوت پالے کہ جن اصولوں کو ہم حق کہتے ہیں وہ واقعی حق ہیں اور ان سے فی الواقع انسانی زندگی اصلح اور اعلیٰ وارفع ہو جاتی ہے۔''

آگے قولی و عملی شہادت کے باہمی تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ شہادت جب قولی شہادت کے ساتھ مل جائے تب وہ ذمہ داری پوری طرح ادا ہو جاتی ہے جو امتِ مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ تب نوعِ انسانی پر بالکل اتمام حجت ہو جاتا ہے۔ تب ہی ہماری امت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آخرت کی عدالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھڑی ہو کر شہادت دے سکے کہ جو کچھ حضورؐ نے ہم کو پہنچایا تھا، وہ ہم نے لوگوں تک پہنچا دیا اور اس پر بھی جو لوگ راہ راست پر نہ آئے وہ اپنی کج روی کے خود ذمہ دار ہیں۔''

ابوالاعلی سید سبحانی

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۶)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۵۰) بظاهر تفضیل مگر حقیقت میں مبالغه

قرآن مجید میں جگہ جگہ اسم تفضیل جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہوکر آیا ہے، جیسے خیر الرازقین اور أحسن الخالقين ،ایسے تمام ہی مقامات پر تفضیل مقصود نہیں ہوتی ہے، بلکہ صفت میں مبالغہ اور کمال مقصود ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق ہے، تفضیل کے مفہوم میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ دوسروں میں بھی وہ صفت موجود ہے، البتہ کسی میں دوسروں سے زیادہ ہے، جبکہ مبالغہ میں یہ لازم نہیں آتا ہے کہ دوسروں میں بھی وہ صفت موجود ہے، بلکہ کلام کا سارا زور موصوف پر ہوتا ہے، کہ یہ صفت موصوف میں اعلی درجے میں پائی جاتی ہے۔ خیر الرازقین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رازق بہت سے ہیں اور اللہ سب سے بہتر رازق ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ رازق ہے اور رزق کی صفت اس کے اندر اعلی درجے میں ہے، بالفاظ دیگر وہ بہترین رازق ہے۔ أحسن الخالقين کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ بہترین خالق ہے، نہ یہ کہ وہ خالقوں میں سب سے بہتر خالق ہے۔ ان دونوں الفاظ کے حوالے سے سابق میں گفتگو ہوچکی ہے۔

ذیل میں مزید کچھ الفاظ کے حوالے سے تراجم قرآن کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱) وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ (الانبیاء:83)

''اورتو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے'' (احمد رضا خان)

''اورتو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

(۲) فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِين۔ (المومنون:109)

''ہمیں معاف کردے، ہم پر رحم کر، تُو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے'' (سید مودودی)

''ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

(۳) وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِين۔ (المومنون:118)

''اور پیغمبر علیہ السلام آپ کہئے کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

''اے محمدؐ، کہو، ''میرے رب درگزر فرما، اور رحم کر، اور تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے'' (سید مودودی)

(٤) وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ (الاعراف:151)

''اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا'' (احمد رضا خان)

''اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

(۵) يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ وَهُوَ أَرۡحَمُ الرَّاحِمِيۡن۔ (یوسف:92)

''اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے'' (احمد رضا خان)

''خدا تم کو معاف کرے۔ اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(٦) وَمَكَرُواۡ وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمَاكِرِيۡنَ۔ (آل عمران:54)

''پھر بنی اسرائیل (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنے لگے جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے'' (سید مودودی)

''اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے'' (محمد جوناگڑھی)

(۷) وَيَمۡكُرُوۡنَ وَيَمۡكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمَاكِرِيۡنَ۔ (الانفال:30)

''وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے'' (سید مودودی)

''اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر'' (احمد رضا خان)

(۸) بَلِ اللّٰهُ مَوۡلَاكُمۡ وَهُوَ خَيۡرُ النَّاصِرِيۡن۔ (آل عمران:150)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

''بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہی بہترین مددگار ہے'' (محمد جوناگڑھی)

''بلکہ خدا تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(۹) إِنِ الۡحُكۡمُ إِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الۡحَقَّ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفَاصِلِيۡن۔ (الانعام:57)

''فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے، وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

''حکم نہیں مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا'' (احمد رضا خان)

(١٠) رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔(الاعراف:89)

''اے رب، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''(سید مودودی)

''اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے''(احمد رضا خان)

''اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''(فتح محمد جالندھری)

(١١) أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ۔(الاعراف:155)

''ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں پس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ سب سے بڑھ کر معاف فرمانے والے ہیں''(سید مودودی)

''تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے''(محمد جوناگڑھی)

''تو ہمارا ولی ہے۔ ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بڑا بخشنے والا ہے''(جوادی)

(١٢) وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔(یونس:109)

''اور صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ خدا کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''(جوادی)

''اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''(سید مودودی)

(١٣) أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔(یوسف:80)

''یا پھر اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرما دے کہ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''(سید مودودی)

''یا اللہ تعالیٰ میرے معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''(محمد جوناگڑھی)

(١٤) "فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ"(الاعراف:87)

''تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کیے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے''(محمد جوناگڑھی)

''تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''(سید مودودی)

(۱۵) وَإِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَأَنتَ أَحۡكَمُ الۡحَاكِمِيۡن۔(ھود:45)
''اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے'' (سید مودودی)
''اور تیرا وعدہ اہل کو بچانے کا برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے'' (جوادی)
''یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے'' (محمد جوناگڑھی)
(۱٦) أَلَا تَرَوۡنَ أَنِّیۡ أُوفِیۡ الۡكَيۡلَ وَأَنَاۡ خَيۡرُ الۡمُنزِلِيۡن۔(یوسف:59)
''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں'' (محمد جوناگڑھی)
''دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور کیسا اچھا مہمان نواز ہوں'' (سید مودودی)
''کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمانداری بھی خوب کرتا ہوں'' (فتح محمد جالندھری)
''کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں'' (احمد رضا خان)
منزل کا صحیح ترجمہ میزبان ہے، مہمان نواز ہونا اس کا لازم ہے۔
(۱۷) وَقُل رَّبِّ أَنزِلۡنِیۡ مُنزَلًا مُّبَارَكاً وَأَنتَ خَيۡرُ الۡمُنزِلِيۡنَ۔(المومنون:29)
''اور کہہ، پروردگار، مجھ کو برکت والی جگہ اتار اور تُو بہترین جگہ دینے والا ہے'' (سید مودودی)
''اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے'' (احمد رضا خان)
اور یہ کہنا کہ پروردگار ہم کو بابرکت منزل پر اتارنا کہ تو بہترین اتارنے والا ہے۔(جوادی)
اور کہنا کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔(محمد جوناگڑھی)
(۱۸) رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡداً وَأَنتَ خَيۡرُ الۡوَارِثِيۡنَ۔(الانبیاء:89)
''اے پروردگار، مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تُو ہی ہے'' (سید مودودی)
''پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے'' (فتح محمد جالندھری)
مذکورہ بالا تمام آیتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے بہتر کے بجائے بہترین سے ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

بلا یبلو ،اور أبلی یبلی کا بنیادی مطلب تو ہوتا ہے کسی کو آزمائش میں ڈالنا،صلہ اور باب فعل کے اختلاف سے آزمائش کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، یہ آزمائش خیر سے بھی ہوتی ہے اور شر سے بھی ہوتی ہے۔فرمایا: (و نبلوکم بالشر والخیر)، یہیں سے اس کا ایک مطلب خیر سے نوازنا بھی ہے۔

ابن قتیبہ ادب الکاتب میں لکھتے ہیں: بَـلَوْتُه أبلوه "بَلْواً" إذا جـرَّبتـه، وبَلاه الله يَبْلوه "بَلاَءً" إذا أصـابـه بِبَـلاءٍ، يـقـال: الـلَّهمَّ لا تَبْلُنا إلا بالتي هي أحسنُ، وأبلاه الله يُبليه "إبْلاءً حَسَناً" إذا صنع به صنعاً جميلاً، وقال زهير: جَزَى اللهُ بالإحسانِ مَا فَعَلا بكُمْ ...فأَبْلاهُمَا خَيْرَ البَلاَءِ الَّذي يَبْلُو

قرآن مجید میں چھ مقامات پر لفظ بلاء آیا ہے، یہ چھ مقامات وہ ہیں جہاں کسی بڑی مصیبت یا آزمائش سے بچا لیے جانے کا تذکرہ ہے۔ان میں سے چار مقامات پر بنی اسرائیل کو فرعون اور آل فرعون کے ظلم سے نجات دلانے کے بعد اس کا ذکر ہے،اور ان چار میں سے تین مقامات کا تو بالکل ایک ہی مضمون ہے کہ آل فرعون سے نجات دی جو ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور لڑکی کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ باقی ایک مقام پر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے امتحان اور پھر اللہ کی طرف سے پروانہ کامیابی جاری ہونے کے بعد اس کا ذکر ہے، اور ایک دوسرے مقام پر جنگ بدر میں اہل ایمان کی کامیابی کے بعد اس کا ذکر ہے۔ان مقامات پر مترجمین کے مختلف ترجمے ملتے ہیں، بسا اوقات ایک ہی مترجم یکساں مقام پر الگ الگ ترجمہ کرتا ہے۔

(۱) وَإِذْ نَـجَّيْـنَـاكُـم مِّـنْ آلِ فِـرْعَـوْنَ يَسُـومُـونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ وَفِي ذَلِكُم بَلاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ۔(البقرة:49)

''یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے تم کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات بخشی اُنھوں نے تمھیں سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا،تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی''(سید مودودی)

''اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی''(شاہ عبدالقادر)

''اور بیچ اس کے آزمائش تھی پروردگار تمہارے سے بڑی''(شاہ رفیع الدین)

''اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی (یا بڑا انعام''((احمد رضا خان)

''اوراس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی'' (فتح محمد جالندھری)

''اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی'' (محمد جوناگڑھی)

(۲) وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَونَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ وَفِي ذَلِكُم بَلاء مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ۔(الاعراف:141)

''اور (اللہ فرماتا ہے) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرعون والوں سے تمہیں نجات دی جن کا حال یہ تھا کہ تمہیں سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اوراس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی'' (سید مودودی)

''اوراس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا'' (شاہ عبدالقادر)

''اور بیچ اس کے آزمائش تھی پروردگار تمہارے کی طرف سے بڑی'' (شاہ رفیع الدین)

''اوراس میں رب کا بڑا فضل ہوا'' (احمد رضا خان)

''اوراس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی'' (محمد جوناگڑھی)

''اوراس میں تمہارے رب کا بڑا احسان تھا'' (احمد علی)

(۳) وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ وَفِي ذَلِكُم بَلاء مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ۔(ابراہیم:6)

''یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے اس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑایا جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی'' (سید مودودی)

''اوراس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی'' (شاہ عبدالقادر)

''اور بیچ اس کے آزمائش تھی پروردگار تمھارے کی طرف سے بڑی'' (شاہ رفیع الدین)

''اوراس میں تمہارے رب کا بڑا فضل ہوا'' (احمد رضا خان)

''اس میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی'' (محمد جوناگڑھی)

اوپر کی تینوں آیتوں میں اگر بلاء کا ترجمہ آزمائش کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیٹوں کو ذبح

کرنے کا عمل تو آل فرعون کی طرف سے تھا، پھر اسے اللہ اپنی طرف کیوں منسوب کرے گا، دوسری بات یہ ہے کہ اگر آل فرعون کا عمل اللہ کی طرف سے تھا، تو اس عمل سے نجات دینا اللہ کی نعمت کیسے شمار ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ تینوں آیتوں کا سیاق نعمت کا بیان ہے نہ کہ آزمائش کا بیان۔ خاص طور سے تیسری آیت تو صریح طور سے نعمت یاد دلانے کے مضمون پر مشتمل ہے۔ ان پہلوؤں کو سامنے رکھیں تو بلاء کا ترجمہ انعام زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

(٤) فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّهَ رَمَى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلاء حَسَناً إِنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔(الانفال:17)

''پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (اور مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے) تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے، یقیناً اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے'' (سید مودودی)

''اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان'' (شاہ عبدالقادر)

''اور تو کہ آزمائش کرے ایمان والوں کو ساتھ نعمت کے اپنی طرف سے آزمائش نیک'' (شاہ رفیع الدین)

''اور اس لیے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے'' (احمد رضا خان)

''اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزما لے'' (فتح محمد جالندھری)

''اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے'' (محمد جونا گڑھی، یہاں محنت کا مفہوم نہیں ہے)

''اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے'' (امین احسن اصلاحی)

''اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے'' (اشرف علی تھانوی، یہاں محنت کا مفہوم نہیں ہے)

أبلاه الله بلاء حسنا تو بطور محاورہ اللہ کی طرف سے انعام واکرام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے بھی اکثر مترجمین نے یہاں اسی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

(٥) وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ۔ مِن فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِياً مِّنَ

الْمُسْرِفِينَ۔ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَى عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاء مُّبِينٌ۔ (الدخان:30-33)

''اِس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے سخت ذلت کے عذاب فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں فی الواقع بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا اور اُن کی حالت جانتے ہوئے، اُن کو دنیا کی دوسری قوموں پر ترجیح دی اور اُنہیں ایسی نشانیاں دکھائیں جن میں صریح آزمائش تھی'' (سید مودودی)

''ہم نے انہیں وہ نشانیاں عطا فرمائیں جن میں صریح انعام تھا'' (احمد رضا خان)

''اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی'' (محمد جوناگڑھی)

''اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا'' (امین احسن اصلاحی، اکثر جگہوں پر آنجناب نے آزمائش ترجمہ کیا ہے)

''اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا'' (اشرف علی تھانوی، اکثر مقامات پر آنجناب نے آزمائش اور امتحان کیا ہے)

اس مقام پر کئی مترجمین نے انعام ترجمہ کیا ہے، بلکہ بعض وہ لوگ جو ہر مقام پر آزمائش کا ترجمہ کرتے ہیں، انہوں نے یہاں انعام ترجمہ کیا ہے۔ آیت کا سیاق بھی یہاں بہت واضح دلالت کر رہا ہے کہ بلاء کا ترجمہ انعام ہونا چاہئے۔

(٦) فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ۔ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاء الْمُبِينُ۔ (الصافات:103-106)

''آخر کو جب اِن دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ "اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی" (سید مودودی)

''بے شک یہی ہے صریح جانچنا'' (شاہ عبدالقادر)

''تحقیق یہ بات وہی ہے آزمائش ظاہر'' (شاہ رفیع الدین)

''بیشک یہ روشن جانچ تھی'' (احمد رضا خان)

''درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا'' (محمد جوناگڑھی)

سورہ دخان میں بہت سے لوگوں نے بلاء مبین کا ترجمہ صریح انعام کیا ہے، مگر اسی طرح کی تعبیر

البلاء المبین کا ترجمہ یہاں سبھی لوگوں نے صریح آزمائش کیا ہے۔ حالانکہ سیاق یہاں بھی تقاضا کررہا ہے کہ انعام ترجمہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا تمام مقامات پرایک بات مشترک ہے کہ بلاء کا لفظ نجات مل جانے اور سرخ روئی حاصل ہوجانے کے بعد آیا ہے۔جس سے یہ بات اور روشن ہوجاتی ہے کہ لفظ بلاء ان سبھی مقامات پر انعام اور نوازش کے معنی میں ہے۔

تراجم کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ تقریبا ہر مترجم نے اگر کہیں آزمائش ترجمہ کیا ہے تو اسی مترجم نے دوسرے مقام پر انعام ترجمہ کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ کوئی ایک حتمی موقف نہیں رکھتے تھے۔

افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۳)

ظفر احمد الاثری، لندن، ای میل:asarizafar@hotmail.com

سورہ الکھف

اس سورہ کا تعلق اس گروپ سے ہے جو سورہ یونس سے شروع ہوتا ہے اور سورہ نور پر ختم ہوتا ہے۔ یہ ایک بڑا گروپ ہے۔ یہ سورہ انذار وتبشیر کی سورہ ہے۔ اس سے پہلے والی سورہ میں معاد و توحید کا بیان ہے اور مخاطب یہود ہیں اور اِس سورہ میں مخاطب نصاری ہیں اور مرکزی مضمون معاد ہے، جو توحید کا سب سے لازمی تقاضا ہے۔ اس سورہ میں صبر کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ صبر کہاں سے حاصل ہوگا، وہ سورہ مریم اور سورہ طہ میں آئے گا۔ سورہ بنی اسرائیل کی ابتداء سے اخیر تک اس کی بڑائی بیان کرو یعنی توحید کا بیان ہے اور سورہ کا اختتام بھی توحید پر ہے اور یہ سورہ بھی توحید سے ہی شروع ہورہی ہے۔

(آیت ۱) ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے۔

(آیت ۲) [قیما] حال مؤکد ہے، عوجاً کی تفسیر ہے، یعنی کتاباً مستقیماً۔

(آیت ۲) [من لدنه] وہ اس کے اوپر قادر ہے، قدرت تامہ کی تصویر بیان ہورہی ہے۔ اس میں تبشیر کا پہلو زیادہ ہے۔

(آیت ۴) نصاری و یہود مشرکین تمام مراد ہیں۔

(آیت ۶) [کبــرت] فعل تعجب ہے، چونکہ مشرکین رسول کی بات نہیں مان رہے ہیں، انکار پر انکار کررہے ہیں، بات کو مان کر نہیں دے رہے ہیں۔ دوسری طرف رسول یہ سوچتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی سردار ایمان لے آتا ہے تو قبیلہ کا قبیلہ اسلام قبول کرلے گا۔

[علی آثارھم] قرآن نے یہ تعبیر اس لیے استعمال کی ہے کہ حضور ان کے پیچھے اپنے وقت کا بیشتر حصہ صرف کرتے تھے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے پیچھے بہت دور چلے گئے ہیں۔

(آیت ۶) اس کی وجہ بتلائی جارہی ہے کہ یہ آخر کیوں نہیں سن رہے ہیں، اس لیے کہ ہم نے

زینت دنیا دے رکھی ہے۔
(آیت ۸) لیکن وہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ ہم قیامت کے دن اس زمین کو مسطح بنا دیں گے۔

(آیت ۹) کیا اصحاب کہف کا واقعہ کوئی عجیب نشانی ہے۔ہم اس سے عجیب نشانی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔اصحاب کہف وہ مظلوم لوگ ہیں جو رقیم والوں کے ظلم کو سہہ رہے تھے،انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ ہمیش نہیں رہیں گے،دوسری طرف رقیم والوں نے یہ سمجھا کہ ہم ہمیشہ ہمیش رہیں گے،لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا،اصحاب کہف کے وہاں سے ہٹتے ہی وہاں کی موجودہ حکومت ختم ہوگئی،اور دوسرے لوگ ان پر قابض ہوگئے۔یہ اشارہ دیا جارہا ہے کہ اس وقت مکہ میں جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم یہاں ہمیشہ رہیں گے،ان کے لیے کہا جارہا ہے کہ رقیم والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ ہم یہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے،لیکن ہم نے ان کو چند منٹ میں اقتدار کے مسند سے ہٹادیا۔
[اذ] تفسیر کے لیے۔
(آیت ۱۰) تیرے پاس رحمت ونقمت دونوں ہے،لیکن ہم ایسا کام کریں جس سے رحمت ہو۔اور رحمت کی بنیاد رشد ہوتی ہے۔اس لیے کہتے ہیں رشد کی توفیق دے کبھی تیرے راستے سے نہ ہٹنے پائیں۔
[من أمرنا] زیادہ زور دینا ہے مومنین پر۔وهیّئی لنا امراً راشداً.
(آیت ۱۲) [لنعلم] حق و باطل کے دونوں گروہوں میں سے کس نے اپنی زندگی کا احاطہ کیا ہے۔ یعنی کسی نے نہیں جانا کہ ہماری موت اور قیام کی مدت کتنی ہے،ایک نے سمجھا کہ ہم مظلوم ہیں دوسرے نے سمجھا کہ ہم ہمیشہ ہمیش رہیں گے،لیکن ایسا نہیں ہوا،وہ جس اقتدار کے بل پر کو درہے تھے وہ ختم ہوگیا۔ اور اس کے بعد فوراً نصرانی حکومت قائم ہوگئی،اور اس کی حکومت کے بعد ۳۰۰ سو سال تک یہ سوتے رہے۔
(آیت ۱۳) [بالحق] غایت کے ساتھ،دروس وعبر کے ساتھ،مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات پر ایمان لائے۔اور وہ علم وعمل کے میدان میں کوشاں رہے،اس طرح ہم نے ان کی نصرت کو بڑھایا۔
(آیت ۱۴) ان کے اندر ایمان رچ بس گیا تھا اور دشمنان دین ستا رہے ہیں،اندیشہ ہے کہ وہ ظلم کی وجہ سے نکل جائیں لیکن وہ ہر ظلم کے خلاف ڈٹ گئے۔اس لیے کہ اللہ نے ان کے دل کو باندھ دیا تھا۔

[ربطنا] اس کے بعد انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہم اس دین سے نہیں لوٹ سکتے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ایک ایسی بات کہیں گے جو حق سے دور ہے، بعد عن الحق۔

(آیت ۱۵) [هؤلاء] ضمیر مبہم ہے۔

[قومنا] اس کی تفسیر ہے۔ ہمارے پاس واضح دلیل ہے اور یہ نہیں مانتے ہیں۔

[بسلطان] علی دعواهم، افتراء علی الكذب۔ شرک کرنا۔

(آیت ۱۶) یہ ہجرت کے وقت کی بات ہے۔ ان کو قابل لعنت سزا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

[ینشر لکم] یہ ہجرت کے وقت کی تسلی ہے۔ اپنی رحمت کی چادر ڈالے گا۔ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

[مرفقا] وہ چیز جس سے فائدہ پہنچے گا۔

(آیت ۱۷) انہیں یقین تھا کہ ہم ضائع نہیں ہوں گے اور وہ باقی رکھے گا۔

[تزاور] تتجاوز

[فجوةً] نہایت کشادہ کمرہ لیکن دھوپ نہیں جاتی تھی۔

[ذلک] یہ قدرت و رحمت اور رأفت کی نشانیوں میں سے ہے۔

آيات للعباد الصالحة.

(آیت ۱۷) [فهو] اسی کو پکڑنا چاہیے، ان حضرات نے خدا کو پکڑا تھا اس لیے وہ کامیاب ہوئے۔ اب ہجرت شروع ہو چکی ہے۔ مومنین ہجرت کر رہے ہیں۔

(آیت ۱۸) اس نے غار پر ہیبت کی چادر ڈال دی تھی۔

(آیت ۱۹) [كذلک] جس طرح سلایا تھا اسی طرح جگایا۔

[ليتسائلو] جس کی وجہ سے وہ آپس میں پوچھ تاچھ کرنے لگے۔

[ورق] چاندی کا سکہ

[ازکی] جہاں حلال کھانا ملتا ہو، شہر کے کسی حصے میں بھی

[رزق] حصہ

[وليتلطف] في اتيانه۔ ہوشیاری کرنا، لطیف طریقہ اختیار کرنا۔

[او يعيدوا] اس طرح فلاح نہیں پاؤ گے۔

(آیت۲۱) جس وقت وہ اپنے خواب سے اٹھتے ہیں وہ حالت باقی نہیں رہتی ہے۔شہر میں نصاری اور یہودیوں میں بحث ہو رہی تھی کہ قیامت ہوگی یا نہیں، لیکن اصحاب کہف کے اٹھ جانے سے ان کی اس بحث کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔اس لیے کہ اصحاب کہف قیامت کی نشانیوں میں سے ایک تھے جو یہ بتا رہے تھے کہ اللہ تعالی اس بات پر قادر ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ اس کے مر جانے کے بعد اٹھائے گا جس طرح اصحاب کہف کے ساتھ کیا۔ پھر اصحاب کہف شہر سے لوٹ کر اسی غار میں سو جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔

اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ ان کے ساتھ کیا ہو۔ صالحین نصاری نے یہ کہا کہ انھیں غار ہی میں لیٹا رہنے دو اور غار کے دہانے کو بند کر دو۔ ان کا رب بہتر جانتا ہے یہ کون لوگ ہیں اور کس مرتبے کے ہیں اور کس جزا کے مستحق ہیں۔

[أمــرهـم] اصحاب کہف کے بارے میں۔ ہر جگہ علم الٰہی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جہاں اس واقعہ سے بہت سی چیزیں مقصود ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ " مشيئة اللــه"غالب ہوتی ہے۔اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

[ربهم] رائے دینے والوں کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(آیت۲۲)[فلا تمار] مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے کہ انھیں چھوڑ دو، ان کی تعداد کتنی تھی۔

[مراءً ظاهراً] سرسری۔

[و لا تستفــت مـنهم] نصاری سے استفتاء نہ کرو۔ جو اصل مقصد ہے اسے سامنے رکھو۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔

حالات کتنے ہی سخت ہوں باطل کے سامنے سپر نہیں ڈالنا چاہیے۔

جو لوگ ہجرت کریں گے اللہ ان کے لیے انتظام کرے گا۔

(۲۳) یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ مشیت اللہ غالب ہوتی ہے، اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے، تم اپنی فکر کرو تمہارے ساتھ وہی ہوگا جو اصحاب کہف کے ساتھ ہوا۔ انسان کے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(آیـت ۲۴) ([الا]لـكـن مشيـئة الـله هي النافذة۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ اگر ہم نکالے جائیں گے تو کہاں جائیں گے۔

(آیـت ۲۴)[اذ كر] خدا کی صفات یاد کرو۔ مختلف قسم کے اندیشے ہوں تو اسے یاد کرو، وہ عزیز

وحکیم ہے اور منتقم ہے، اصحاب کہف کی طرح وہ انتظام کرے گا۔

(آیت ۲۴) اب تک جس طرح محفوظ رکھا ہے اسی طرح آئندہ صبر واستقلال دے گا۔ اور اسی طرح استقلال دے گا جس طرح اصحاب کہف کو دیا۔ اور غیر ضروری مشاغل سے پرہیز کرو۔

(آیت ۲۵) قدرت کا نمونہ ہے، جو خدا ایسا ہے وہ مکے کے مسلمانوں کو اس سے زیادہ رہنمائی کرے گا، جو رہنمائی اصحاب کہف کو کی گئی۔ انھیں کہف میں جانا نہیں پڑا ہے بلکہ دارالسلام میں گئے ہیں۔

(آیت ۲۶) جو انسان کے ادراکات اور احساسات سے باہر ہے انھیں بہت پرکھتا ہے۔ ویسا کوئی نہیں، وہ بصیر ہے، وہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اسے دیکھتا ہے، جہاں بھی بندہ پکارتا ہے اسے سنتا ہے۔ یہ سب باتیں مکہ کے مسلمانوں کو بتانی ہیں۔

[**لایشرک**] اور شفاعت کی تردید ہے، جس ذات پر ایمان لائے ہو وہ بصیر بھی ہے وہی کارساز ہے۔ اور اسی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔

(آیت ۲۷) دوسروں پر تبلیغ کرو، خدا کی کتاب کا تعارف ہوگا، اس کی صفتیں معلوم ہوں گی، کلمات سے مراد وہ کلمات اور فرامین ہیں جو اللہ نے مومنین کے لیے طے کر رکھے ہیں، مومنین سے جو وعدے کیے ہیں ان میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

[**ولن**] اسے پکڑو۔

(آیت ۲۸) اوپر کی آیتوں میں مومنین اور نبی سے خطاب ہے۔ نبی ﷺ انتہائی سخت دور سے گزر رہے ہیں اس کے باوجود کافروں پر زیادہ وقت صرف کرتے تھے، یہاں پر ان کا ذہن موڑا جا رہا ہے۔ ان پر وقت کم لگاؤ۔ وہ کہتے تھے ان غلاموں کے ساتھ تمہارا دین سنیں گے اور اسے مانیں گے۔ دراصل وہ دنیا کی زینت میں غافل ہو گئے ہیں اس لیے نہیں سن رہے ہیں۔

(آیت ۲۸) [**بالغدو**] صبح وشام کی نماز میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

[**واصبر**] ان پر زیادہ وقت صرف کریں، اس لیے کہ ہجرت کرنا بہت مشکل ہے۔

[**ولاتعد**] ان کی تربیت کریں، ان کی نگرانی کریں، حضور اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ مشرکین کے لیڈر ایمان لے آئیں تو قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو سکتا ہے۔

(آیت ۲۹) [**قل**] **هذا الحق.**

[سرادقها] قنات۔

(آیت۳۲) وہ ایمان نہیں لا رہے ہیں اسی آیت کی مثال بیان کرو، مثلاً سے بدل رجلین ہے۔

یہ قصہ دن ورات وہاں ہوتا رہتا ہے۔

[ثمر] پیداوار

[هو يحاور] مومن بندہ۔

(آیت۳۲) صاحب الجنتين مراد ہے۔

(آیت۳۴) میرا دین و مذہب صحیح ہے۔ اور میں خدا کا محبوب بندہ ہوں اس لیے کہ مجھ پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔

[اعز نفراً] یہی غرہ ان پر سوار تھا اور یہ اشراک باللہ کا جزو ہے۔

(آیت۳۵) [قال] کیا تم انذار کرتے ہو اور ڈراتے ہو، اس کے تباہ ہونے کا کیا سوال۔

[حسبان] عذاب [زلق] جہاں کوئی چیز پیدا نہ ہوتی ہے

(آیت۳۴) [ما] مال، قوت، ذہن [انتصر] امتنع من العدو۔

(آیت۴۴) اوپر والے قصے میں یہ بیان کرنا ہے کہ ولی وہی ہے، وہی مدد کرتا ہے۔ اسی کو ولی بنانا چاہیے، جیسا کہ اصحاب الکہف نے کیا، اصحاب الجنۃ نے شیطان کو ولی بنایا اور اشراک کیا تو کیسا انجام ہوا، یہی بات اس قصے میں بتلائی گئی ہے۔ امتحان میں ڈال کر الگ کر دیا۔

(آیت۵۰) [فسق] فسق عن عبوديته معرضاً أمر ربه، وہ خدا کو رب مانتا تھا لیکن الامر المطاع نہیں مانتا تھا۔

[فسق] غداری، ابلیس کو جو لوگ ولی بناتے ہیں وہ بدترین انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

(آیت۵۰) [بدلاً] جو ابلیس کو ولی بنائے گا وہ ناکام ہوگا۔ ولی تو اسے بنانا چاہیے جو مخلف الوعد نہ ہو۔

(آیت۵۲) زعمتم] ادعيتم .

[فدعوهم] للمدد

[موبقاً] زيلنا بينهم حجاب

(آیت۵۳) [مصرفاً] صارفاً اياهم عن النار۔

[من کل مثل] ہرطرح کی عبرتیں ہم نے مختلف سے بیان کردی ہیں لیکن یہ نہیں مانتے ہیں۔اور جدال کرتے ہیں۔

[اکثر] تمام مخلوقات میں۔

(آیت۵۵) دھمکی کا انداز ہے۔

[سنة الاولین] التی نفذت فی الامم البائدة.

[او] و [قبلاً] سامنے سے، آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

(آیت۵۶) ان کے اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے کہ معجزات ان کے قبضے میں نہیں ہیں۔

[بالقول الباطل] غلط اعتراض کرتے ہیں

[لیدحضوا] ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

[آیاتی] توحید اور معاد کی آیتیں۔

[انذروا هزواً] دنیا اور آخرت میں عذاب ملے گا۔اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

(آیت ۵۷)[نسی] وہ سمجھتا تھا کہ حساب ہونے والا نہیں ہے۔

[أكنة] ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور کان بہرے ہو گئے ہیں۔

[ان تدعوهم] اور اندھے ہیں۔

(آیت۵۸) اس کا جواب ہے کہ عذاب کیوں نہیں آرہا ہے۔وہ چیلنج کرتے ہیں کہ عذاب کیوں نہیں آتا ہم تو تکذیب کررہے ہیں، اللہ کہہ رہا ہے کہ تمہارے افعال کے نتیجے میں عذاب آج ہی آجائے لیکن مہلت کا دور چل رہا ہے۔اس موقع سے فائدہ اٹھالو۔پھر موقع نہیں ملے گا۔

(آیت۵۹) اگلوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا، انھیں بھی مہلت دی گئی تھی۔

(آیت۶۰) [لفتاه] غلام۔روایت میں آتا ہے سب سے پہلے ایمان لانے والے، یوشع بن نون سے کہا، جو موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔

(آیت۶۰۔۸۳) یہ قصہ یہ بیان کرنے کے لیے آرہا ہے کہ خدا کا مخفی ہاتھ کیا کرتا ہے، کسی کو اس کا علم نہیں، اس لیے گھبراہٹ ہوتی ہے، اس موقع پر صبر کرنا چاہیے، حق پر جمے رہنا چاہیے۔وہ مومنین کو ایک نہ ایک دن کافروں کے ہاتھ سے نجات دلائے گا۔صبر کی تعلیم دی جارہی ہے کہ گھبرانا نہیں چاہیے اور حق پر صبر کے ساتھ جمے رہنا چاہیے۔ یہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوران نبوت میں پیش آیا۔اس کا

مقصد یہ تھا کہ موسیٰؑ کی تربیت ہو۔ یہ واقعہ مجمع البحرین میں واقعہ پیش آیا۔

''عبدؑ'' سے کون مراد ہے اس میں ائمہ مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ہے، آیتوں کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی انسان نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی فرشتہ ہے، اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کے ذریعہ یہ تربیت دی گئی۔

اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہاں کیوں گئے۔تو اس طرح کا اعتراض قابل غور نہیں۔اس لیے کہ خدا نے وہیں بھیجا، اور یہ تو ہر نبی کے ساتھ پیش آتا رہتا ہے۔

(آیت ۶۱)[**مجمع البحرین**] خرطوم کے پاس دریائے نیل کی دوشاخیں بحرابیض اور بحر ازرق مراد ہیں(۱)

مخفی ہاتھ کیا کام کررہا تھا اسے بتلانے کے لیے یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔

صبر کی تعلیم دینی ہے۔خدا کا مخفی ہاتھ کام کرتا ہے، لیکن اس کا علم نہیں ہوتا، اس لیے انسان گھبراتا ہے۔اسے صبر کرنا چاہیے، حق پر جمے رہنا چاہیے۔

[**حوتھما**] ناشتہ کے لیے مچھلی تھی۔

[**سرباً**] **ذاهباً فيه.**

(آیت۶۲)[**غداء نا**] دوپہر کا کھانا۔

[**نصباً**] **تعباً** [**عجباً**] مفعول مطلق۔

(آیت۶۴)[**فارتد**] رجع، [**قصصاً**] **يتبع آثارهما.**

(آیت۶۵) [**عبداً**] فرشتہ [**رحمةً**] **خاصةً.**

(آیت۸۳) اس قصے کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اقتدار پا کر خدا کے خلاف بغاوت نہیں کرتے اور نہ مخلوقات کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔چونکہ ہجرت قریب ہے اور مسلمانوں کو اقتدار ملنے والا ہے اس لیے اس کی مثال پیش کی جارہی ہے، اسی لیے یہ مثل آئی ہے اور اصلاً معاد کو پیش کرنا مقصود ہے۔جو لوگ معاد کے قائل ہوتے ہیں وہ اقتدار پا کر شکرگزار بندے ہوتے ہیں۔اور مخلوفات پر رحم کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ لوگ سوسائٹی میں ذوالقرنین کے بارے میں پوچھ رہے ہوں تو سوسائٹی کے سامنے ایسے شخص کی مثال سامنے رکھی جائے کہ جب اسے دنیا کا اقتدار ملتا ہے تو وہ خدا کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ ضعیف سے ضعیف تر طبقہ پر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ دانستہ یا نادانستہ جرم نہیں کرسکتا ہے۔یہ قصہ

سورہ نحل میں بیان ہوا ہے۔ یہ نبوت کا امتحان لینے کے لیے نہیں آیا ہے۔

(آیت ۸۳) ذوالقرنین۔ یہ ایران کا خسرو بادشاہ تھا، پوری دنیا پر اس کی حکومت تھی (۲)۔ پہلے اصحاب کہف کا ذکر ہوا اس لیے کہ مومنین پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں پھر تسلی کی خاطر بیان ہوا کہ حکومت ملنے والی ہے، اس لیے ذوالقرنین کا ذکر ہوا۔ ہوسکتا ہے مومنین زبان حال سے پوچھ رہے ہوں لیکن زبان قال سے نہ پوچھ رہے ہوں۔ ایسے لوگوں کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا گیا۔ اور ویسے ہی لوگوں کو ذوالقرنین کا قصہ سنایا گیا۔ بتانا یہ ہے کہ ملک صالح ہوتا ہے، مومن بالآخر کس طرح حکومت کر سکتا ہے۔

سورہ سے اس کا تعلق یہ ہے کہ پہلے صبر کی تعلیم دی گئی اور صبر کے بعد یہ کہا جا رہا ہے کہ تمہیں حکومت ملے گی۔ مرکزی مضمون سے اس واقعہ کا تعلق یہ ہے کہ مومنین کو خوش ہو جانا چاہیے کہ اب حکومت اور اقتدار سے ہمکنار کیے جانے والے ہیں۔

(آیت ۸۳) [ذکراً] تذکرہ کے مقصد کے لیے سنایا جا رہا ہے اس میں مجازاتی پہلو ہے۔

(آیت ۸۳) [ذکراً]، تذکرہ کے مقصد سے سنایا جا رہا ہے۔ اس میں مجازاتی پہلو ہے۔ اور صبر کے بعد اقتدار ملنے والا ہے۔

(آیت ۸۴) نظم مملکت چلانے کے لیے، ہر طرح کی چیزیں دے رکھی تھیں۔

(آیت ۸۵) عدل وقسط قائم کرنے کے لیے اس نے ذرائع و وسائل لگائے یعنی فوج کشی کے لیے، حملہ کرنے کے لیے فوج تیار کی۔

[عین] خلیج [حمئة] کالا، جب پورا علاقہ فتح ہو گیا تو اللہ نے اپنے بندہ کو حکم دے دیا کہ چاہو تو ظلم کرو، چاہو تو عدل۔ اس بندے کی خاص بات یہ ہے کہ وہ عدل وانصاف میں سب سے بڑھ کر تھا، تب ہی تو اللہ نے اس کے لیے یہ فقرہ استعمال کیا۔

(آیت ۸۸) [سنقول] اور میری پالیسی پر ہوگی۔

(آیت ۹۱) [کذلک] ذوالقرنین کی بات ایسے ہی ہے۔

(آیت ۹۱) [قد أحطنا] یہاں بھی اس نے عدل وانصاف قائم کیا۔

(آیت ۹۴) ترجمان ہی کے ذریعہ اس نے بات چیت کی ہوگی۔

[خرجاً] سالانہ ٹیکس متعین کر دیں۔

(آیت ۹۸)[هذا رحمة] یہ خدا کی رحمت ہے، ہماری وجہ سے نہیں ہوا۔

(آیت۹۹) نہایت پریشانی اور ہلچل کا بیان ہے۔لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں گے۔

[ترکنا] جعلنا، یہ نفخہ اولی میں ہوگا۔

(آیت۱۰۱) توحید کی نشانیوں اور قوموں کی نشانیوں سے ان کی آنکھیں بند تھیں۔

(آیت۱۰۳) چاہے یہود ہوں یا نصاری، سب غلط کام کر رہے ہیں۔

(آیت۱۰۶)[بما] ما مصدریہ ہے۔

(آیت۱۰۷)[فردوس] جس میں ہر طرح کی چیزیں موجود ہیں۔

(آیت۱۰۹)[حولا] اسم المصدر من تحول، منتقل۔

(آیت۱۰۹)[کلمات ربی]، احکام وفرامین۔اتنی لمبی کائنات چلاتا ہے اس لیے علیم ہے اور اس کی قدرت کا یہاں ذکر ہے۔اس میں توحید ہے۔خدا کی صفات کمالیہ کا تذکرہ ہے، الوہیت کی دلیل دی جارہی ہے۔کوئی شریک نہیں ہے اور وہ واحد متصرف ہے۔کوئی شریک وسہیم نہیں ہے، یہی بات آگے کہہ دی ہے۔اور یہی بات سارے انبیاء کہتے ہیں۔

(آیت۱۱۰) آخرت۔

حواشی:۔

(۱) یہی رائے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی ہے ملاظہ فرمائیں، تفہیم القرآن جلد سوم سورہ کہف حاشیہ ۵۷

(۲) یہی رائے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی ہے ملاحظہ فرمائیں، تفہیم القرآن سورہ بنی اسرائیل جلد دوم حاشیہ ۸

اسلامی مشن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جدوجہد

...... کامیابی کے اسباب اور ہمارے لیے اسباق......

ذوالفقار علی فلاحی، نیپال

انســـان کی تخلیق کے بعد سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری کیا۔ پہلے انسان حضرت آدمؑ کے بعد سب سے پہلے نبی حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ نبوت کا یہ سلسلہ نبی آخر الزماں ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ اس دعوت کے باب میں پوری امت مسلمہ کے لیے اسوہ حسنہ اور کامل نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا صرف یہی ایک پہلو قابلِ تقلید نہیں بلکہ زندگی کے جملہ معاملات میں نمونہ آپ کی سیرت مبارکہ ہمارے لیے رہنما ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً. (الاحزاب: ۴۵،۴۶)

ترجمہ: اے نبی ﷺ، ہم نے تمہیں گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نہ صرف داعی تھے بلکہ داعیوں کے سردار بھی تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے دعوتی مشن کو کس طرح منظم کیا اور آگے بڑھایا اور ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں کس طرح مکمل کامیابی حاصل کی۔ یہ گہرائی سے مطالعہ کا موضوع ہے۔ تاہم سرسری طور پر مطالعہ سے درج ذیل امور ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱۔ دعوت کے موضوع کا پرکشش ہونا۔

۲۔ قرآن مجید کی اثر آفرینی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کی اپنی پرکشش شخصیت۔
۵۔ نبی اکرم ﷺ پر جان نثار کرنے والے صحابہ کرامؓ کی جماعت۔

آئندہ سطور میں ان ہی امور اور نکات کو سامنے رکھ کر کچھ تفصیل پیش کی جارہی ہے جس سے ان کی وضاحت ہوسکے گی۔

۱۔ آپ ﷺ کی دعوت کی کامیابی میں انتہائی اہم کردار آپ ﷺ کی دعوت کی کشش ہے۔عرب کے جس ماحول میں آپ ﷺ نے دعوت دی، وہ بذات خود بہت ہی اہم ہے،لوگ کفروشرک اور جاہلیت کے سبب بڑی پریشانی میں مبتلا تھے، ایسے حالات میں آپ ﷺ کی دعوت ان لوگوں کے لیے ایک نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ باوجود تمام تر مخالفتوں کے آپ ﷺ کی دعوت پھلی پھولی اور برگ وبار لائی اور کسی طرح کی آزمائش اور پریشانی لوگوں کے لیے اس دعوت کو قبول کرنے کی راہ میں مانع نہیں ہوئی۔

۲۔ دوسری چیز جو اس دعوت کے پھیلنے کا سبب بنی وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے آپ میں بہت ہی پرکشش اور اثر آفرین ہے، جن لوگوں نے بھی اس قرآن مجید کو سنا وہ اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپس کے مشورہ سے نبی اکرم ﷺ کو قرآن کے پیغام کو عام کرنے سے روکنے کی کوشش کی مگر جب قرآن مجید کا پیغام ان کے کانوں میں پڑا تو وہ لوگ بھی لاجواب ہوکر رہ گئے۔اس قرآن کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچنے سے روکنے کی ان لوگوں نے یہاں تک تدبیر کی کہ جب بھی قرآن مجید پڑھا جاتا لوگ شور مچانا شروع کر دیتے، مگر ان کی کوئی تدبیر قرآن مجید کی اثر آفرینی کو نہ روک سکی۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا تیسرا بڑا راز یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انہیں خاص تعاون اور مدد حاصل رہی، انتہائی مشکل حالات میں بھی، انتہائی مخالفتوں کے ماحول میں بھی ان اہل ایمان کے دل میں جو سکینت اتری وہ خاص اللہ کی مدد تھی۔ یہاں تک کہ جنگوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کی مدد کے لیے فرشتوں کو اتارا، نیز یہ کہ کفار ومشرکین اللہ کے رسول ﷺ کی جان کے بھی درپے ہوئے، انہوں نے انھیں جان سے مارنا چاہا مگر وہ اپنے اس ناپاک ارادے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا چوتھا راز آپ ﷺ کا اخلاق عالیہ ہے، آپ ﷺ اخلاق کے اعلی مقام پر فائز تھے اور عرب کا کوئی شخص، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق

کے بارے میں کسی طرح کا بھی کوئی شوشہ اٹھانے کا موقع نہیں پاتا تھا، سب کے سب آپ ﷺ کے بلند اخلاق کے قائل تھے اور آپ ﷺ کے آگے ان کے سر جھک جاتے تھے، اس بات کی گواہی خود قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا پانچواں راز یہ تھا کہ آپ ﷺ کے ارد گرد موجود صحابہ کرامؓ انتہائی مخلص تھے، اپنے مشن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے تھے اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کی شخصیت کے ذریعہ سے ہی ان لوگوں کو دنیا کے عذاب سے نجات ملی تھی اور آخرت کے عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ ہمہ وقت آپ ﷺ کے ارد گرد رہتے اور آپ ﷺ کے ایک اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ جس چیز کا بھی نبی کریم ﷺ مطالبہ کرتے تھے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا کرتے تھے۔ جنگوں میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان صحابہ کرامؓ نے اپنے جسموں پر تیر کھائے، تلوار کے وار سہے، لیکن آپ ﷺ کو اپنی پناہ میں، اپنی حفاظت میں رکھا اور دشمنوں کو آپ ﷺ تک حتی المقدور پہنچنے سے باز رکھا۔

ان امور کے علاوہ آپ ﷺ نے اس ۲۳ رسال کے مختصر عرصہ میں جو اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے اس کے پیچھے آپ ﷺ نے جو طریقہ کار اختیار کیا، اس کا بہت بڑا رول ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے بالخصوص دو امور کو اختیار فرمایا تھا۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بہت ہی لائق و فائق افراد سازی کی اور لوگوں کو اس مشن کے لیے تیار فرمایا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو افراد تیار کیے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی صلاحیتوں کو اچھی طرح سے پہچانا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان کے ذمہ کام لگائے، جو دعوت کا ذوق رکھتے تھے انہیں دعوت کے کام میں لگایا، جو سپہ سالاری کر سکتے تھے ان کو سپہ سالار بنایا، جو لکھنے پڑھنے کا کام کر سکتے تھے ان کو اس کام پر مأمور فرمایا۔ غرض کہ ان صحابہ کرامؓ کے اندر جو صلاحیتیں تھیں، ان صلاحیتوں کے مطابق آپ ﷺ نے کام ان کے سپرد کیا اور اس طریقہ سے آپ ﷺ اپنے اس مشن کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کے اس دعوتی مشن میں کامیابی سے ہم درج ذیل اسباق سیکھ سکتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے جو دعوت پیش کی تھی آج بھی وہی دعوت ہے، اور آج بھی اس دعوت میں

وہی کشش ہے جو نبی کریم ﷺ کے دور میں تھی، مگر آج ہم اس دعوت کو اس انداز سے پیش نہیں کر پا رہے ہیں جس انداز سے نبی کریم ﷺ نے پیش کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آج انسانیت باوجود پریشان ہونے کے ان کو اپنی پریشانی کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا ہے۔ اسلام ان کے مسائل کے حل کے طور پر ان کے سامنے نہیں آ پا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کی دعوت اس انداز سے نہیں پھیل رہی ہے جس انداز سے نبی کریم ﷺ کے دور میں پھیلی تھی۔ لہٰذا آج بھی ضرورت ہے اس دعوت کو اسی پرکشش انداز میں پیش کیا جائے جس انداز میں نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ نے پیش کیا تھا۔

۲۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ آج بھی قرآن مجید ان ہی حروف، الفاظ، لہجے اور پیغام کے ساتھ محفوظ ہے جن حروف، الفاظ، لہجے اور پیغام کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا، آج بھی قرآن مجید کے اندر وہی کشش ہے، وہی چاشنی اور وہی جامعیت ہے، مسائل کا وہی حل ہے جو حل نبی کریم ﷺ کے دور میں لوگوں کے سامنے آیا تھا۔ اسی لیے آج بھی ضرورت ہے کہ اس قرآن مجید کے پیغام کو ہو بہو اور کما حقہ انسانوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انسانیت اس کے پیغام سے روشناس ہو سکے اور اس کے سایہ عاطفت میں اپنی جگہ پا سکے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کا یہ وہی دین ہے جو دین نبی کریم ﷺ لے کر کے آئے تھے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا اور اس کے پیش کرنے میں، اس کو قائم کرنے میں، اس کو غالب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوئی تھی۔ آج بھی اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ اسی طرح سے برقرار ہے جس طریقے سے نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تھا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ اس لیے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان شرائط کو پورا کریں جن شرائط کو پورا کرنے سے اللہ کی مدد نازل ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو لازماً اللہ تعالیٰ کی مدد ہم کو بھی ملے گی اور اللہ کا یہ دین غالب ہوگا اور انسانیت امن وسکون اور سلامتی حاصل کر سکے گی۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کے اسوہ سے یہ بات ہمیں ملتی ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق نے لوگوں کی زبانوں کو آپ کے خلاف بند رکھا تھا اور آپ کی باتوں کے سننے پر اور ماننے پر لوگوں کو مجبور کیا تھا، اسی طریقے سے آج بھی اگر داعیان اسلام اپنے اخلاق کو بلند کر لیتے ہیں اور اس معیار پر اترنے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے پیش کیا تھا، ممکن ہے وہ معیار آج حاصل نہیں ہو سکے، لیکن پھر بھی اسلام کی تعلیمات ایسی

ہیں کہ اگر داعیانِ اسلام اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھال لیں گے تو کوئی بعید نہیں ہے کہ بھٹکے ہوئے انسان ان کے اعلیٰ اخلاق سے متأثر نہ ہوں اور اسلام کے دائرہ میں وہ داخل نہ ہوں۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی خودسپردگی نے اور ان کے اسوہ کو اپنا کر کے صحابہ کرامؓ کی خودسپردگی نے اس دین کو غالب کرنے میں اپنا کردار ادا کیا تھا، اور یہ دین انسانیت کے سامنے کماحقہ پیش ہوسکا تھا، اسی طریقے سے آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ اس دین کے داعیان اپنے آپ کو اس مشن کے لیے وقف کریں۔ اس کے لیے خود کو سپرد کریں اور اپنی زندگی و موت اور تمام مراسم عبودیت اور تمام مال و دولت، جان اور اسباب سب کچھ اللہ کی راہ میں نچھاور کردیں۔ اگر مٹھی بھر بھی ایسے افراد پیدا ہوجائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے دین کو انسانیت کے سامنے پیش کرنے میں یہ داعیان اسلام کامیاب ہوں گے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت اللہ کے پرامن دین میں داخل ہوسکے گی اور اس طریقے سے دنیا امن وشانتی کا گہوارہ بن سکے گی۔

ظاہر سے اس کام کے لیے افرادسازی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح افرادسازی کے لیے منصوبہ بندی کی بھی ضرورت ہے اور تیار شدہ افراد کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام پر مأمور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اس جانب بھی توجہ دینی ہوگی، دعوتی کام کو انجام دینے اور مؤثر اور تیز رفتاری کے ساتھ انجام دینے کے لیے ہمیں افراد کا انتخاب ان کی تیاری اور ان کی صلاحیت کے مطابق ان کے ذمہ کام لگانے کی ضرورت ہے۔ تب یہ دعوتی مشن کامیاب ہو سکے گا۔

یہ چند نکات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی دعوتی زندگی، ان کے مشن اور کوششوں سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اگر آج بھی ان اصولوں کو اپنایا جاتا ہے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غلبۂ دین اور دعوت کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے تو پوری امید ہے کہ یہ دین غالب ہوگا اور بھٹکتی ہوئی انسانیت اللہ تعالیٰ کے پرامن دین میں امن وامان اور سکون وشانتی پاسکے گی۔

اسلامی معاشرہ

جہیز

......مسلم سماج میں موجود ایک بھیانک برائی......

سراج احمد برکت اللہ فلاحی، نیپال

مسلم سماج اللہ ورسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، کتاب وسنت کی تعلیمات کو برحق مانتا ہے، اسلام کو اللہ کا پسندیدہ دین تصور کرتا ہے، نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرتا ہے، اسلامی شریعت اور بالخصوص عائلی نظام کو باعث رحمت مانتا ہے، حلال وحرام کے احکام کو تسلیم کرتا ہے اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی وجنت کا طالب ہے۔ اس حقیقت کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج کا مسلم سماج اسلامی تعلیمات سے دور ہے، نہ صرف یہ کہ اسلامی اخلاق وآداب اور اعلیٰ قدریں مفقود ہیں بلکہ متعدد برائیوں میں لت پت ہے۔ جاہلانہ رسوم ورواج میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ ان ہی برائیوں میں سے ایک بہت بڑی اور بھیانک برائی شادی بیاہ کے موقع پر جہیز کا لین دین ہے۔

کتاب وسنت میں زندگی کے دیگر احکام کی طرح شادی بیاہ کی تعلیمات اور احکام بھی موجود ہیں۔ شادی بیاہ انسان کی بنیادی اور فطری ضرورت ہے۔ لڑکی یا لڑکا جب بالغ ہوجائے اور شادی کی عمر کو پہنچ جائے تو والدین کوئی اچھا، مناسب اور دیندار رشتہ دیکھ کر بات طے کرلیں۔ فریقین کا جس دن اور جگہ پر اتفاق ہوجائے، اس دن چند احباب کسی مجلس میں جمع ہوکر نکاح پڑھوادیں اور اگلے روز شادی کرنے والے مرد کی جانب سے خوشی، اللہ کا شکر اور اعلان واظہار کے پیش نظر حسب استطاعت دعوت ولیمہ کا اہتمام ہوجائے۔ جس میں پاس پڑوس کے لوگ اور وہ قریبی رشتہ دار جو بآسانی شریک ہوسکتے ہوں، وہ شریک ہوں، زوجین کو مبارک باد دیں اور ان کے لیے دعائے خیر کریں۔

قرآن مجید میں نکاح کرنے اور کرانے کا حکم ہے۔ احادیث کی کتابوں میں کتاب النکاح کے تحت

سینکڑوں احادیث ہیں۔ ان میں صرف لڑکی یا لڑکے کی رضامندی، منگیتر کو دیکھنے، والدین کی سرپرستی، خطبۂ نکاح، اظہار مسرت، مہر، ولیمہ اور دعائے خیر کے تبادلہ کا ذکر ملتا ہے۔ آج کل شادی بیاہ کے نام پر جو چیزیں رواج پا گئی ہیں جیسے منگنی، بارات، جہیز، منہ دکھائی، سلامی، فلاں اور فلاں کا حق، مختلف ناموں سے پیسوں یا تحفوں کا لین دین وغیرہ کا ذکر قرآن اور احادیث کی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا ہے۔

احادیث میں جہیز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ واضح رہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر جو چند سامان مہیا کرائے گئے تھے وہ حضرت علیؓ کے پیسوں سے خریدے گئے تھے اور نبی اکرم ﷺ چونکہ حضرت علیؓ کے بھی سرپرست تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس میں دلچسپی لی اور اس کا انتظام کرنے میں مدد کی تھی۔

اسلام میں نکاح کو آسان سے آسان بنایا گیا ہے۔ جب رشتہ کی بات آئے تو بات چیت کا آغاز لڑکی والے بھی کر سکتے ہیں اور لڑکے والے بھی۔ بات چیت طے کرنے یا منگنی کے لیے بس اتنی سی بات کافی ہے کہ فریقین ضروری معلومات اور تعارف ایک دوسرے کو دے دیں، اور لڑکی لڑکا چاہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور اپنی پسند کا اظہار کر دیں۔

چند مخصوص اور بہت قریبی رشتہ داروں کے علاوہ، جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں ہے، کسی بھی اہل ایمان سے شادی ہو سکتی ہے، پاس پڑوس میں، گاؤں و قرب و جوار میں، ملک و بیرون ملک میں کہیں بھی مناسب رشتہ پسند آجائے تو شادی ہو سکتی ہے۔ شادی میں برادری اور مسلک کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ بڑی عمر کے آدمی کا چھوٹی عمر کی عورت سے اور چھوٹی عمر کے مرد کا بڑی عمر کی عورت سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ کنوارے کی شادی بیوہ سے اور بیوہ یا مطلقہ کی شادی کنوارے سے بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں گھریلو اعتبار سے اپنے ہی معیار اور ماحول کی شادی زیادہ آسان اور موزوں ہوتی ہے اور زوجین کے لیے نباہ بھی آسان ہوتا ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد کسی بھی عمر میں اور صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات کسی بھی وقت نکاح کیا جا سکتا ہے۔ مسجد ہو یا مدرسہ، گاؤں ہو یا شہر، گھر آنگن ہو یا کوئی پروگرام ہال کہیں بھی نکاح کیا جا سکتا ہے۔

لڑکی لڑکے اور ان کے سرپرست حضرات ہوں تو کسی بھی عوامی مجلس میں نکاح ہو سکتا ہے جس میں لڑکا اپنی استطاعت کے مطابق مہر دے گا اور ایجاب و قبول ہو جائے گا۔ مہر روپیہ پیسہ بھی ہو سکتا ہے اور کوئی مادی یا معنوی چیز بھی ہو سکتی ہے۔ مہر فوری طور پر بھی دیا جاتا ہے اور مجبوری ہو تو مؤجل بھی کیا

جاسکتا ہے۔ پہلے صرف نکاح ہواور کچھ مدت بعد رخصتی ہو یا نکاح اور رخصتی ایک ساتھ ہو، دونوں شکلیں اسلام میں جائز ہیں۔غرض کہ اسلام میں نکاح حد درجہ آسان ہے۔

شادی کے لیےلڑکیوں میں عام طور پر چار خوبیاں دیکھی جاتی ہیں۔خوبصورتی، مالداری، خاندان اور دینداری، نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ تم دیندارلڑکی کا انتخاب کرو۔ان چاروں خوبیوں میں اصل خوبی دینداری ہی ہے جو افضل اور دائمی ہےاور سب پر بھاری بھی ہے۔ باقی چیزیں یاتو عمر یا وقت کے ساتھ زائل ہو جانے والی ہیں، یا عارضی اور غیر یقینی ہیں۔

جہیزلغوی اعتبار سے سامان سفر کو کہتے ہیں۔یعنی کسی لمبے سفر پر نکلتے وقت آدمی جوزادِ راہ ساتھ میں رکھتا ہےاسی کوجہیز کہتے ہیں۔مگر عرف عام میں لڑکی کے گھر والے شادی کے موقع پرلڑکی کو یا لڑکی کے نام پر داماد کو اور داماد کے گھر والوں کو جو ساز و سامان اور اسباب زندگی دیتے ہیں، اسی کو اب ہمارے یہاں جہیز کہا جاتا ہے۔ جوروزمرہ استعمال ہونے والے گھریلو سامان ، موٹر سائیکل اور کار کی شکل میں بھی ہوتا ہےاور چیک، نقد، یا زمین کی شکل میں بھی ہوتا ہے۔

آج کل دیکھا جارہا ہے کہ جہیز کے نام پر بڑی تعداد میں سامان مانگے جاتے ہیں۔موٹر سائیکل، کار، بیڈ بستر، کرسیاں، صوفہ، بکس، الماری، کولر، فریج، انورٹر، واشنگ مشین، سلائی مشین، مختلف اشیاء سے بھرا ہوا ٹرک اور نہ جانے کیا کیا۔لڑکی والے چاہے جتنا ساز و سامان دے دیں، اس میں کمی اور نقص باقی ہی رہتا ہے۔ باقاعدہ سامانوں کے نام بتا بتا کر پوری بے شرمی سے جہیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔اور نہ لانے کی صورت میں اپنی ہی بہو کو موقع بہ موقع جملے کسے جاتے ہیں اور زندگی بھر اسے طعنہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی زندگی ہی اجیرن کر دی جاتی ہے۔نتیجتاً کبھی طلاق کی نوبت آتی ہے تو کبھی بہو اپنی جان سے ہی کھیل جاتی ہے۔

جہیز کی وجہ سے مسلم سماج کی صورت حال بہت خراب ہوگئی ہے۔شادیوں میں تاخیر، بے پردگی، زناوبدکاری، قطع رحمی، فضول خرچی، سودی لین دین، پردیس کی نوکری، ریاکاری، فضول خرچی، غرض کئی سماجی برائیاں ہیں جو جہیز کی وجہ سے ہمارے سماج میں پنپ رہی ہیں بلکہ سماج کو کھائے جارہی ہیں اور دینی شناخت گم ہوتی چلی جارہی ہے۔ بدکاریاں عام ہوگئی ہیں اور عفت و پاک دامنی عنقا ہوتی جارہی ہے۔

کیا امیر کیا غریب، کیا شہری کیا دیہاتی، کیا پڑھے لکھے لوگ کیا جاہل عوام، کیا دین دار کہے جانے والے اور کیا بے دین لوگ، کوئی بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں ہے۔ پورا مسلم سماج جہیز کے جال میں پھنسا

ہوا ہے۔ گھر گھر اس سے تباہ اور پریشان ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہوگئی ہیں۔ اس لیے اس بات کو خوب سمجھ لیجیے کہ:

جہیز فضول خرچی ہے۔ شادی میں بلاضرورت سامانوں کی لمبی فہرست بنانا، سامان تعیش کا اضافہ کرنا اور مختلف اشیاء کے نام پر کئی کئی لاکھ بلکہ کروڑوں تک خرچ کر دیا جاتا ہے۔ جو سراسر فضول خرچی اور ناجائز عمل ہے۔

جہیز تباہی ہے۔ اس کی وجہ سے اخلاق واقدار تباہ ہو گئے۔ حیاء وشرم کا جنازہ اٹھ گیا، عفت و پاک دامنی پارہ پارہ ہوگئی، گھریلو اور عائلی زندگی سے محبت ومودت اور ہمدردی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

جہیز ایک لعنت ہے، ہر مسلمان اس کو برا بھلا کہتا ہے، جہیز لینے والوں کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے، ان کو لعن طعن کرتا ہے، اس کی وجہ سے سماج میں بھائی چارہ اور اخوت ومحبت رخصت ہوگئی ہے۔ اللہ کی برکتیں اور رحمتیں بھی چھن گئی ہیں۔

جہیز رسوائی ہے اس کی وجہ سے شوہر اپنی ہی بیوی کی نگاہ میں رسوا ہوتا ہے اور شوہر اپنی بیوی سے واقعی احترام ومحبت کبھی نہیں پا سکتا ہے۔ سسرال والوں کی نظر میں بھی ذلیل اور خودغرض ہو جاتا ہے۔

جہیز بے شرمی ہے۔ بیوی کے لائے ہوئے ساز وسامان سے گھر سجانے والا اور اس کے بیڈ بستر اور دیگر سامان زندگی سے لطف اندوز ہونے والا مرد بے شرم ہی کہلائے گا۔

جہیز آفت ہے، اس کی وجہ سے تقویٰ اور دینداری کی روح اور اس کے سارے مظاہر جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ عزت اور بڑائی کا معیار اب تقوی نہیں رہا۔ مالدار لوگ ہی اب بڑے اور عزت دار سمجھ لیے گئے ہیں۔

جہیز موت ہے، اس کی وجہ سے نہ جانے کتنی بچیاں خودکشی کر لیتی ہیں، نہ جانے کتنی بچیوں کو رحم مادر میں ہی قتل کر دیا جاتا ہے، نہ جانے کتنے والدین پھانسی لگا لیتے ہیں، نہ جانے کتنی نوجوان لڑکیاں جہیز کی وجہ سے شرم وحیاء، عفت و پاکدامنی، والدین کی عزت وناموس، اور دین وایمان کو تیاگ بیٹھتی ہیں۔

جہیز غیر اسلامی رسم ہے، جو ہندوانہ رسوم ورواج اور غیر اسلامی روایات سے مسلم سماج میں داخل ہو گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں اس کا کوئی تصور نہیں ملتا ہے۔

جہیز ایک متعدی گناہ یعنی گناہوں کو جنم دینے والا گناہ ہے اس کی وجہ سے حرام کاروبار، سود، وراثت میں اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی، بیوی اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں اور بدسلوکی غرض کئی گناہ جنم پاتے ہیں۔

آج ضرورت ہے کہ سماج کو جہیز کی لعنت سے بچایا جائے، اس رسم بد کو ختم کیا جائے اور اس گناہ عظیم سے مسلم سماج کو مکمل پاک کیا جائے۔ اس کی روک تھام کے لیے درج ذیل تدابیر اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے:

1۔ اپنی، اپنے بال بچوں کی یا اپنے گھر والوں کی بلا جہیز شادی کر کے عملاً جہیز کے خلاف مہم چلائیں۔

2۔ دین کے حوالہ سے اور خود اپنا بھی اثر ورسوخ استعمال کر کے اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو بلا جہیز شادی بیاہ کے لیے مجبور کریں۔

3۔ خطبات جمعہ میں جہیز کی حقیقت اور اس کی شناعت بیان کی جائے۔ فضول خرچی کا انجام اور اس کے نقصانات بتائے جائیں اور وراثت کا اسلامی قانون مسلمانوں کو سمجھایا جائے۔

4۔ گاؤں گاؤں میں دین دار اور بااثر لوگوں کی چھوٹی چھوٹی مجلس منعقد کی جائے اور کمیٹی بنا کر اس کے ذریعہ جہیز کے خلاف سب کو متحد کیا جائے۔ اور متحدہ محاذ بنا کر اپنے گاؤں اور ماحول سے عملاً اس کو ختم کیا جائے۔

5۔ جہیز اور بارات والی شادیوں میں ہرگز ہرگز شرکت نہ کریں۔ اس سے ان غلط روش والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور ایسے لوگ جہیز کے بغیر اپنے بچے اور بچیوں کی شادی کرنے کے لیے مجبور ہوں گے۔

6۔ خطبہ نکاح میں بلا کسی رو رعایت کے اور بغیر کسی ملامت کرنے والے کے خوف کے جہیز کی حقیقت، اس کی قباحت اور اس کا حرام ہونا بیان کریں اور برملا قسم دلا کر جہیز کے لین دین سے دور رہنے کا اعلان واظہار کروائیں۔

7۔ جہیز کے بجائے لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دینے کی تلقین کریں۔ جو لوگ عورتوں کو مال وراثت میں حصہ نہیں دیتے ہیں، ان کو اس کے لیے تیار کریں اور نہ دینے کی صورت میں ان کا سماجی بائیکاٹ کریں۔

8۔ نکاح کی مجلس مسجدوں میں منعقد کریں اور کرائیں۔ خرچ کم ہوگا، گناہ کی جرأت ختم ہوگی اور نبی ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنے کا داعیہ بھی پیدا ہوگا۔

9۔ شادی بیاہ کی اسلامی تعلیمات اور بالخصوص رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی شادیوں کے واقعات عوام الناس کے سامنے بیان کریں۔

10۔ اپنے حلقہ تعارف واحباب میں خود آگے بڑھ کر بلا جہیز شادی بیاہ طے کریں اور کرائیں۔

اگر ان ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو توقع ہے کہ معاشرے سے یہ خبیث لعنت ختم ہوگی اور امیر وغریب سب کے لیے ایک پرامن معاشرہ کا قیام عمل میں آسکے گا۔ ●◘●

اسلامی تہذیب

کی امتیازی خصوصیات(۲)

ضمیر الحسن خان فلاحی، لکھنؤ
موبائیل:07417449612

اســــلام کی زندہ جاوید تہذیب کی انسانیت نوازی کا ایک پہلو اس کی مذہبی رواداری ہے۔ اسلامی تہذیب کا یہ امتیاز عقائد ونظریات کی تاریخ میں بھی انوکھا ہے اور تہذیبوں کی تاریخ میں بھی مفقود ہے۔اس نے اپنے آغاز سے ہی گزشتہ مذاہب کی طرح تنگ نظری کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے ، وسیع المشربی کا رویہ اختیار کیا۔

مذہبی رواداری کے ضمن میں اسلامی تہذیب نے جن اصولوں کو پیش نظر رکھا وہ یہ ہیں:

۱۔تمام سماوی دین کا منبع ومصدر ایک ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِیْ أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ (الشوری:۱۳)

۲۔اس حوالہ سے تہذیب اسلامی کا دوسرا اصول یہ رہا کہ تمام انبیاء کا درجہ نفس رسالت کی حیثیت سے برابر ہے اور اس باب میں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ نیز مسلمان ہونے کے لیے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے:

قُولُواْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيْسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُون (سورہ البقرۃ:۱۳۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ دین اور قبولیت دین میں کوئی زور وز بردستی نہیں ہے بلکہ اسے اختیار کرنا لوگوں کی رغبت ورضا پر منحصر ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ (البقرۃ:۲۵۶)

أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْن (سورہ یونس:۹۹)

۴۔ اسلامی تہذیب نے تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کو یکساں قابل احترام سمجھا، ان کی حمایت وحفاظت کو اسی طرح ضروری قرار دیا جس طرح مساجد کی حفاظت واجب ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيْراً (سورۃ الحج:۴۰)

۵۔ مذہبی رواداری کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ محض مذہبی اختلاف کی بنا پر کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ اور ایک دوسرے کو ظلم وعدوان کا نشانہ بنانے سے احتراز کیا جائے۔ اسلامی تہذیب نے اس اصول کو کلی طور پر برتا اور نہ صرف یہ کہ اختلاف دین کو موجب قتل اور باعث نفرت نہیں سمجھا بلکہ خیر کے فروغ اور شر کے ازالہ کے لیے باہمی تعاون پر زور دیا، اور اس کی تاکید کی:

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ المائدہ:۲)

۶۔ دنیوی زندگی میں لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیے جانے کا معیار یہ بنایا کہ کون کتنا تقوی شعار اور دوسروں کے لیے کتنا مفید اور نفع بخش ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تہذیب کا اصول یہ ہے کہ:

الناس كلهم عيال الله فأحبهم اليه انفعهم لعياله۔

یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن پر اسلامی تہذیب کی تعمیر ہوئی اور پہلی بار انسانیت کو معلوم ہوا کہ دین ایک ایسی تہذیب کی تشکیل کر رہا ہے جو دوسرے ادیان کے خلاف ذرہ برابر تعصب نہیں رکھتی اور غیروں کو اجتماعی میدان سے بے دخل کرتی ہے اور نہ انہیں ان کے مقام سے فروتر سمجھتی ہے۔ یہ اصول محض کتابوں کی زینت نہیں بنے بلکہ حیات طیبہ کا ورق ورق اس کا عملی ثبوت ہے۔ خلافت راشدہ کا پورا عہد اس کی شہادت ہے بلکہ اس درخشاں تہذیب میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ مسجد ومندر ایک ساتھ کھڑے ہیں، گرجوں کے راہنماؤں کو ان کے مذہبی اختیارات مکمل حاصل ہیں۔

اسلامی تہذیب نے اپنے دور عروج میں ہمیشہ اہل ترین افراد کا انتخاب کیا اور اہم حکومتی عہدے ان کے سپرد کیے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس بات کو کبھی اہمیت نہیں دی کہ اس اہل ترین آدمی کا

مذہب اور دین کیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلامی تہذیب اپنے ہر دور میں رواداری اور انسانیت نوازی کے اتنے اونچے معیار پر فائز ہے کہ کوئی تہذیب اس باب میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ یہ صرف ہمارا دعوی نہیں بلکہ دشمنوں نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ ایک معروف فرانسیسی مستشرق ایم میڈ لیٹ لکھتا ہے:

''جو لوگ اسلام کو وحشی اور جارحیت پسند کہتے ہیں یہ ان کے بے ضمیر ہونے کی روشن دلیل ہے۔ کیا وہ ان صریح علامات کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بری خصلتیں مٹ گئیں جو مدت ہائے دراز سے ان کے اندر رائج تھیں اور وہ ساری چیزیں یورپ میں پہلے ہی تھیں اور آج بھی ہیں۔''

(خلاصہ تاریخ عرب، ایم میڈ لیٹ۔ ترجمہ عبدالغفار: ۳۴)

ایک دوسرا دانشور اعتراف کرتا ہے:

''اگر اسلام نہ ہوتا تو شاید زمانۂ دراز تک نوع انسانی تہذیب و شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مساوات، امداد باہمی، انسانی ہمدردی اور جدوجہد کی جو تحریکیں چل رہی ہیں، وہ صرف اسلام اور اسلامی تہذیب کی مرہون منت ہیں۔ اسلام نے دنیائے انسانیت کو ایسا نظام اور تہذیب عطا کی جو پوری انسانیت کے لیے باعث رحمت ہے۔ یہ اسلام کا وہ عظیم احسان ہے جس کے سامنے صرف میری نہیں بلکہ ہر انصاف پسند کی گردن جھک جانی چاہیے۔''

(دعوت اسلام، آرنلڈ: ۲۷۷)

مسٹر آرنلڈ نے اپنی مذکورہ کتاب میں دوسری جگہ لکھا:

''اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق و کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ مسلمانوں نے ہر جگہ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کیا ہے۔'' (ایضا، ص ۴۴۸)

ایک اور جگہ لکھتا ہے:

''دنیا کا کوئی مذہب رواداری اور صلح کل میں اسلام کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ رواداری اسلامی طبیعت کا محکم اصول اور مکمل مذہبی آزادی اس کا دستور العمل ہے۔''

(ایضا، ص: ۳۹۸)

ایک معروف برطانوی مصنفہ آپ ﷺ کی رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے:

''محمد ﷺ ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور

افسانے کے باوجود اسلام کا نام امن و صلح کا مفہوم رکھتا ہے۔''

(Mohammad a weston attempt to Understanding Islam.P-266)

اس کے علاوہ مشہور امریکی ماہر فلکیات مائیکل ہارٹ نے The 100 نامی کتاب لکھی جو تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنی اس معرکۃ الآراء کتاب میں سرفہرست جس شخصیت کو رکھا وہ آپ ؐ کی ذات گرامی ہے۔ مصنف کے نزدیک پوری انسانی تاریخ میں محمد ؐ وہ واحد شخصیت ہیں جو دینی اور دنیوی ہر دو اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب و کامران ہوئے ہیں۔ اس کے الفاظ میں:

Mohammad was the only man in History who was Supremely successful on both the religious and the secutar Levels.(The 100-P10)

اسلامی تہذیب کی مذہبی رواداری اور افکار و خیالات کی آزادی کے حوالہ سے مذکورہ بالا شہادتیں مغرب کے متعصب مورخین و مصنّفین کے خیالات کی معنویت واضح کرنے اور یہ بتانے کے لیے کہ اسلامی تہذیب کا دامن تشدد اور جبر و اکراہ سے اس قدر پاک ہے، کافی اور شافی ہیں۔ آخر میں گستاف لیبان کا ایک محاکمہ مزید پیش ہے، وہ لکھتے ہیں:

''تاریخ کسی ایسی قوم سے واقف نہیں ہے جو عربوں کی طرح رحم دل اور روادار فاتح ہوئی ہو اور نہ تاریخ میں ان کے دین جیسا صاف، سادہ اور بے ضرر دین نظر آتا ہے''۔

(تہذیب اسلامی، ص۹۵)

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی اور انسان دوستی کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیں تو اس میں بھی وہ دنیا کی تہذیبوں میں منفرد نظر آتی ہے۔ امن کی حالت میں جبکہ مغلوب و مجبور کی زندگی گزار رہا ہو، حسن خلق، نرمی، رحم دلی اور رواداری کوئی بھی کر سکتا ہے لیکن جنگ کے مخصوص حالات میں لوگوں کے ساتھ اور بالخصوص برسرپیکار قوم کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا، دشمنوں سے حسن سلوک اور کمزور طبقات کے ساتھ رحم دلی کا مظاہرہ کرنا، ہر قوم اور ہر تہذیب کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ دشمنی، غیظ و غضب کو ابھارتی ہے اور کامیابی کی شراب فاتح کو بدہوش کر دیتی ہے۔ اقوام عالم اور پوری انسانیت کی تاریخ یہی ہے۔ صرف اسلامی تہذیب جس نے سخت ترین جنگی حالات میں بھی

بلندترین عادلانہ اور منصفانہ سلوک کا مظاہرہ کیا۔اس نے باقاعدہ جنگ کے اصول اور مقاصد متعین کیے اور عملاً ان اصولوں کا انطباق کیا۔اس نے اپنے اصولوں میں ایک اصول یہ بھی بنایا کہ جس طرح اپنی عزت وحریت کی حفاظت فرض ہے اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ معاشرہ کے کمزور اور مظلوم طبقوں کی دست گیری کی جائے اور ہر طرح کے مظالم سے ان کا دفاع کیا جائے۔

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَاوَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيْراً (سورۃ النساء:۷۵)

(اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظلم وتشدد سے نجات دلانے کی خاطر نہیں لڑتے، جو دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے باشندے ظالم ہیں، نکال لے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔)

عین جنگ کی حالت میں اسلامی تہذیب نے انسانیت نوازی کے جو نقوش ثبت کیے ہیں وہ رہتی دنیا تک کے لیے مثال اور نمونہ ہیں۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس تہذیب کے مؤسس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ مفید ہوگا۔دنیا کے بڑے بڑے مصلحین کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کو اس کی دعوت اور مشن کی راہ میں اتنے شدائد ومصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جتنا رسول رحمتؐ کو کرنا پڑا۔مکہ میں مسلسل ۱۳/ سال تک مخالفین کی اذیتوں کا سامنا رہا۔یہاں تک کہ آپ کے قتل کی سازشیں کی گئیں۔مدنی زندگی کے پورے دس سال پیہم جہاد وقتال میں گزرے اور ایک لمحہ کے لیے سکون نہ ملنے دیا گیا۔عام انسانی فطرت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو مسلسل ظلم وستم اور سازشوں کا شکار رہتا ہے، فطری طور پر اس کے مزاج میں انتقام کا جذبہ آجاتا ہے اور ایک بار جو تلوار اٹھ جاتی ہے، وہ خون آشام بن جاتی ہے۔لیکن اس کے برعکس حضور نبی کریمؐ نے اسلامی تہذیب کے جن جنگی اصولوں کا اعلان فرمایا تھا، انہیں عملی جامہ بھی پہنایا۔

غزوۂ احد میں دشمنوں نے آپؐ کو گھیر لیا، آپؐ پر ٹوٹ پڑے، آپؐ زخمی ہو گئے۔دندان مبارک شہید ہو گئے۔صحابہ نے اپنی جان پر کھیل کر آپؐ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالا، اس وقت بعض صحابہ نے درخواست کی کہ آپؐ ان کے لیے بددعا کریں۔آپؐ نے فرمایا: ''مجھے اللہ نے ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے۔داعی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ جانتی نہیں ہے۔''

اسی جنگ میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور آپؓ کی لاش تلاش کر کے زوجہ ابوسفیان

ہندہ نے ان کا دل وکلیجہ چبا کر دشمنی وشقاوت کا ریکارڈ قائم کیا۔لیکن جب یہی ہندہ مسلمان ہوکر خدمت رسالت میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے اس کے لیے دعا مغفرت کی۔

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور آپؐ دس ہزار جانبازوں کے ساتھ فاتحانہ شان سے شہر میں داخل ہوئے اور گیارہ سال سے پیہم ستانے والے قریش پر غلبہ حاصل ہوا، اس وقت عالم یہ تھا کہ وہ سر جھکائے اپنے متعلق فیصلہ کے منتظر تھے، ایسے میں آپؐ نے فرمایا: میں آج تم سے وہی کہوں گا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اللہ تمہیں معاف کرے، جاؤ تم میری طرف سے آزاد ہو۔‘‘

اسی موقع پر جب فطری انتقامی جذبہ کے تحت حضرت سعد بن عبادہؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ **الیوم یوم الملحمہ. الیوم تستحل الکعبة** (آج قتل وقتال کا دن ہے، آج خانہ کعبہ میں بھی خون بہایا جاسکتا ہے۔) اس کے جواب میں فوراً رسولؐ نے فرمایا: ’’**کذب سعد، الیوم یوم المرحمة**۔ (سعد نے غلط کہا، آج تو رحم وکرم، عفو ودرگزر اور عام معافی کا دن ہے۔ بخاری، مغازی)

حیات طیبہ کا سب سے زیادہ طیش اور غضب کا واقعہ، واقعۂ افک ہے۔ جب منافقین نے آپؐ کی محبوب بیوی اور یار غار کی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ کے دامن عفت پر کیچڑ اچھالی۔ دشمنوں سے شماتت، ناموس پر حملہ، محبوب کی بے عصمتی جیسی باتیں انسان کے صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سماتیں، مگر رحمت عالمؐ نے اس انتہائی نازک موقع پر بھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (سیرت النبی:۲/۲۱۱)

حیات طیبہ میں طائف کا واقعہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ جب طائف کے اوباشوں نے آپؐ پر سنگ باری کر کے آپ کو لہولہان کر دیا، خالق کائنات کو آپؐ کی حالت پر ترس آیا، فرشتے آئے اور اہل طائف کی تباہی کی اجازت چاہی مگر آپؐ کا جواب تھا:

’’نہیں، اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے مسلمان پیدا فرمائے گا۔

(بخاری۱/۴۵۸)

نبی اکرمؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء کا طرز عمل بھی یہی رہا، وہ تہذیب اسلامی کے ان اصول ومبادی کو عملی جامہ پہناتے رہے اور سخت سے سخت مرحلہ میں بھی ان اصولوں کو نظر انداز نہیں کیا۔

اسلامی تہذیب جب فاتحانہ شان کے ساتھ دمشق، حمص، شام اور دوسرے شہروں میں داخل ہوئی۔ معاہدہ کے مطابق وہاں کے باشندوں کی حفاظت اور دفاع کے لیے جزیہ وصول کیا، لیکن مسلم

قائدین کو ہرقل کی فوج کشی کی خبر ملی تو سب نے اپنے اپنے علاقوں کے شہریوں کو جمع کیا اور کہا:

''ہم نے تم سے جو رقم وصول کی تھی، وہ اس لیے تھی کہ ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے اور بیرونی حملوں سے تمہارا بچاؤ کریں گے۔لیکن افسوس کہ ہم جا رہے ہیں اور تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ادا نہیں کرسکیں گے، لہٰذا تم سے حاصل شدہ رقوم ہم تمہیں واپس کرتے ہیں''۔

انہوں نے کہا:

''اللہ آپ کو ظفر یاب کرے اور دوبارہ یہاں واپس لائے، تمہارے انداز حکمرانی اور تمہارے عدل وانصاف نے ہمیں اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ کیونکہ سلطنت روما کے ہم مذہب ہونے کے باوجود ان کے ظلم وستم کے انتہائی تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہاری جگہ وہ ہوتے تو ایک کوڑی بھی واپس نہ کرتے۔''

جب تاتاریوں نے شام کے علاقہ پر حملہ کیا اور بہت سے یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو قید کرلیا تو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے تاتاریوں کے امیر سے ان قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات کی۔ امیر مسلمانوں کی رہائی کے لیے تیار ہوگیا۔ شیخ الاسلام نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ سارے عیسائی و یہودی قیدیوں کی رہائی ضروری ہے، ہم کسی ایک فرد کو بھی قید میں رکھنا نہیں چاہتے، خواہ وہ ہماری ملت سے ہو یا کوئی اور۔

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی اور انسان دوستی کی یہ چند مثالیں ہیں، کیا انسانیت کی قدیم وجدید تاریخ میں کوئی شخص کسی ایک جنگ کی نشان دہی کرسکتا ہے، جس کے سپاہی اپنے آپ کو ایسے اخلاقی حدود کا پابند رکھتے ہوں اور صداقت وسچائی اور مہر ومحبت کے ایسے بلند پایہ اصولوں کی پیروی کرتے ہوں، جیسا کہ تہذیب اسلامی کے فرزندوں نے کرکے دکھایا ہے؟

اقوام عالم پر اسلامی تہذیب کے احسانات

اس میں شبہہ نہیں کہ تہذیبیں فکری، اخلاقی اور مادی اعتبار سے جتنی پائیدار ہوتی ہیں اتنا ہی انہیں دوام حاصل ہوتا ہے اور دوسری قومیں اسی قدر ان سے اکتساب فیض کرتی ہیں۔ اسلامی تہذیب اس لحاظ سے تاریخ کی عظیم الشان تہذیب ہے جس نے زندگی کے مختلف میدانوں میں دوسروں پر اپنے غیر معمولی اثرات مرتب کیے ہیں۔

تہذیب اسلامی کے اصول ونظریات کا نہایت گہرا اثر یورپ کی ان اصلاحی تہذیبوں پر پڑا ہے جو

مختلف زمانوں میں وہاں اٹھتی رہی ہیں۔اسلامی تہذیب نے ہی یہ درس دیا کہ انسان کو اللہ کی عبادت کرنے،اس سے تعلق استوار کرنے اور اس کے قوانین کو سمجھنے کے لیے پجاریوں اور پاپاؤں جیسے کسی طبقہ کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔حالانکہ اس سے پہلے قومیں ایک شدید قسم کے مذہبی استبداد کے تسلط میں جکڑی ہوئی تھیں۔شرق وغرب میں فتح کا پرچم لہرانے کے نتیجے میں آس پاس کی قومیں سب سے پہلے اسلام کے عقائد ونظریات سے متاثر ہوئیں چنانچہ یورپ کے اندر ایسے مصلحین پیدا ہوئے، جنہوں نے بت پرستی اور تصویر پرستی کی پرزور مخالفت کی اور خدا اور بندوں کے درمیان کسی وسیلہ سے بے نیاز ہوکر کتب مقدسہ کے افہام وتفہیم کی دعوت دی۔بعض محققین نے لکھا ہے کہ مارٹر لوتھر اپنی اصلاحی تحریک میں فلاسفۂ عرب اور علماء کے عقائد سے متأثر تھا۔اسی طرح انقلاب فرانس میں مذہب اور ریاست کے مابین علحد گی کی جو تحریک اٹھی تھی،وہ ان فکری تحریکات کی پیداوار تھی،جو صدیوں تک پورے یورپ پر چھائی رہیں اور صلیبی جنگوں نیز اندلس کے واسطہ اسلامی تہذیب سے متعارف ہوئیں۔

زمانہ قدیم میں عوام کو اپنے حکمرانوں کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہے۔حاکم ومحکوم کا تعلق آقا اور غلام کا تعلق تھا۔حاکم مطلق العنان ہوتا تھا اور رعایا کے ساتھ جو سلوک چاہتا تھا کرتا تھا۔مملکت موروثی جائیداد کے مانند تھی۔دو فرقوں کے درمیان اگر لڑائی ہوتی تو غالب فریق کے لیے مغلوب کی جان ومال،عزت وناموس ہر شے مباح ہو جاتی تھی۔وہ اسلامی تہذیب ہی تھی اور ہے کہ جب اس کا دور آیا تو اس نے دنیا کو اس اصول سے روشناس کرایا کہ عوام اپنے حکمرانوں کے اعلام پر تنقید اور محاسبہ کا حق رکھتی ہے۔ارباب حکومت صرف امین ہیں،جن کا کام امانت ودیانت کے ساتھ عوام کے مفادات کا تحفظ ہے۔چنانچہ تاریخ میں پہلی بات یہ منظر دیکھا گیا کہ ایک ادنی محکوم نے برسر مجلس حاکم (حضرت عمرؓ) سے پوچھا کہ جو لباس انہوں نے زیب تن کر رکھا ہے وہ کہاں سے آیا؟ حاکم اس پر نہ ناراض ہوا،نہ اس شخص کو پھانسی کی سزا دی،نہ اسے قید خانہ میں ڈالا اور نہ جلاوطن کیا بلکہ اپنی صفائی پیش کی اور پوزیشن واضح کی۔(۱)

یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ عام شخص نے صدر مملکت کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:السلام علیکم یا امیر المومنین!اور امیر نے تسلیم کیا کہ واقعی وہ امیر ہے اور ایک مزدور کی طرح اخلاص کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا اور امانت کا حق ادا کرنا اس پر فرض ہے۔اسلامی تہذیب نے اس اصول کو عملاً نافذ اور منطبق کر کے دکھایا۔

اس حریت فکر ونظر سے گردونواح میں آباد قومیں متاثر ہوئیں،ان کے اندر تحریک پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے غلامی کی ساری زنجیروں کو کاٹ ڈالا۔

یورپ کے لوگوں نے بلاد شام، اندلس اور دیگر اسلامی ممالک میں بچشم خود مشاہدہ کیا کہ عوام اپنے حکام پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور حکام اپنی قوم کے سامنے جوابدہ ہیں، یورپ کے حکمرانوں نے یہ بھی دیکھا کہ جہاں حکام کسی خاص فرد یا طبقہ کے سامنے نہیں بلکہ پوری قوم کے سامنے جوابدہ ہیں، جبکہ وہ رومن امپائر کے ماتحت ہیں اور انہی کے زیر تسلط زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

تہذیب اسلامی نے جنگ کے سلسلہ میں جو اصول مقرر کیے ان کی رو سے ایفائے عہد، عقیدہ کی آزادی، عبادت گاہوں کا احترام اور لوگوں کی شخصی آزادی نیز عزت و ناموس کا پاس ولحاظ ضروری قرار پایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم کے اندر خودداری کی روح پیدا ہوئی اور وہ شرافت وتکریم انسانیت کے جوہر سے آشنا ہوئے۔ تاریخ نے دیکھا کہ غیر مسلم رعایا کا ایک فرد، صدر مملکت سے شکایت کرتا ہے کہ آپ کے گورنر کے بیٹے نے میرے بیٹے کو ناحق کوڑے لگائے ہیں۔ سربراہ مملکت یہ سن کر غضبناک ہوتے ہیں، شہزادے کا محاسبہ ہوتا ہے اور اس سے قصاص لیا جاتا ہے پھر گورنر کو ہدایت کرتے ہیں کہ ”تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔“

یہ وہ عظیم احسان تھا جو اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر نے اقوام وافراد پر کیا ورنہ اس سے پہلے تک وہ شکایت و بغاوت تو کجا وہ احتجاج و اظہار غم بھی نہ کر سکتے تھے۔ عزت نفس کا احساس مردہ پڑ چکا تھا۔ غرض خود اہل جنوب اور دوسری قومیں بھی اسلامی تہذیب سے متعارف ہونے سے پیشتر اپنے پیشواؤں کے خلاف دم نہیں مار سکتی تھیں۔ انہیں اس امر کا سرے سے احساس وشعور ہی نہ تھا کہ حاکم وقت کا محاسبہ یا مظلوم کی دادرسی ان کا بنیادی حق ہے۔

اس کے علاوہ علوم وفلسفہ، لغت وادب اور قانون سازی کے میدان میں بھی اسلامی تہذیب نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیل میں جائے بغیر صرف مائیکل کا یہ قول کافی ہے:

”یورپ اپنے ادب لطیف میں بلاد عرب کا خاص طور سے ممنون احسان ہے۔“

اسی طرح قرون وسطیٰ کے یورپ میں جو روحانی انقلاب آیا، اس کی پشت پر جو قوتیں کارفرما تھیں، انہیں بروئے کار لانے میں عرب قوم (دوسرے لفظوں میں اسلامی تہذیب) کا بہت نمایاں کردار ہے۔“

(بحوالہ اسلامی تہذیب کے درخشاں پہلو، ص:۴۳)

وقت کی پکار

گزشتہ بحث سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مسلم تہذیب یا امت مسلمہ کو اس وقت شدید تہذیبی

چیلنج کا سامنا ہے۔ امت اس چیلنج سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہے، یہی اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ اس کا مستقبل عزت و سربلندی ہے یا ذلت و غلامی۔ وہ اپنی تہذیب کی نقشہ گری اپنے ایمان و اقدار کے مطابق کرے گی یا خود کو رنگ فرنگ میں رنگ کر؟

یہ سچ ہے کہ سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی سے سارا جسم زار و نزار ہے۔ آج مسلمان ہر جگہ افتراق و انتشار، محاذ آرائی اور خوں ریزی کا شکار ہیں۔ ایک طرف حکمراں اور عوام کے درمیان گھماسان ہے، دوسری طرف مختلف طبقات باہم متصادم ہیں لیکن اپنے مسائل کی ساری ذمہ داری غیروں کے سر منڈھنا سراسر ناانصافی ہے۔ وقت کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے ہمارے سامنے واضح لائحہ عمل ہو اور اس مقصد کے لیے غور و فکر اور غور و فکر کے لیے متعین ایجنڈا ضروری ہے۔

تمہید کے طور پر درج ذیل ایجنڈا ہو سکتا ہے:

ا۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اس تاریخ کا مطالعہ کریں جس میں مغرب نے اسلام کی یہ تصویر بنائی ہے اور اس کے خلاف اس کی نفسیات جس رخ پر تشکیل پاتی ہیں۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام اور مغرب کے مابین کشمکش کی تاریخ اتنی قدیم ہے جتنی ظہور اسلام کی۔ اہل مغرب کے ذہن میں آج اسلام کی جو تصویر ہے، ان کے سلسلہ میں دشمنی، جارحیت اور تعصب کی جو فضا ہے، ان سب کی جڑیں اسی تاریخ میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کو سمجھنا اور اسی کے ساتھ ان اسباب کی کھوج لگانا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوگی۔ پھر اسباب جہاں حق ہوں وہاں اپنی غلطیوں کے اعتراف میں بھی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ خود احتسابی اور استغفار ہمارا دینی شعار ہے۔

۲۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آج کے تہذیبی مسائل (Issues) کیا ہیں، جن کے بارے میں انسان پریشان ہے اور حل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ان ایشوز کو ہمیں اپنی دعوتی جد و جہد میں مناسب مقام دینا ہوگا۔ مثال کے طور پر امن و انسانیت، خاندان، معاشی عدل و انصاف، بنیادی حقوق وغیرہ۔

غرض یہ کہ کشمکش کے باوجود مشترک امور کی تلاش، نفرت اور اندھی دشمنی کو فروغ دینے سے اجتناب، ابوجہل اور عمر بن خطابؓ جیسے لوگوں کے ذریعہ اسلام کی تقویت کی تمنا اور تدبیر۔ اس سلسلہ میں نازک راستہ ضرور ہے مگر ہے مفید۔

۳۔ ہمارے ایجنڈے کا تیسرا نکتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم افراد امت کے اندر اسلام سے محبت اور اس سے عملی وابستگی کی جوت جگائیں۔ انہیں اخلاق کی بہتری کی طرف متوجہ کریں کیونکہ اخلاقی بہتری کے

بغیر ہماری کوئی پیش رفت ممکن نہیں ہے۔ اسلامی ریاست، جس کے قیام کی تمناوآرزو ہماری تمام تر مساعی کا مرکز ہے، اسلام کے اس کم سے کم اخلاقی مرتبہ پر فائز ہوئے بغیر قائم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا عام مسلمانوں میں اللہ اور رسول سے محبت، اللہ سے شوق ملاقات اور جذبہ شہادت و جہاد آج کے ایجنڈے کا اہم مسئلہ ہوسکتا ہے۔

۴۔ قوت مسلم/مومن کا ایک اہم سرچشمہ انتشار سے نجات اور وحدت امت ہے، اس ضمن میں امیر وغریب، حنفی وشافعی، مقلد اور غیر مقلد، ہندو اور مسلم، مختلف نسل ورنگ کے درمیان پائی جانے والی آمیزش کو ختم کرنا، اور اس بات پر غور کرنا کہ کہاں کہاں اور کس کس طرح سے اس محاذ آرائی کو کم کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی نئے سرے سے غور وفکر کا طالب ہے۔

۵۔ وقت کے ایجنڈے کا ایک اہم نکتہ جس پر غور وفکر ہونا چاہیے، یہ ہے کہ بیرونی معاشرہ سے تعلقات بہتر بنائے جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی بڑی اکثریت اسلام کے حیات بخش پیغام سے ناآشنا ہے اور ان سے بہتر تعلقات قائم کرکے ہی انہیں اسلام آشنا بنایا جاسکتا ہے۔ معروف اسلامی مفکر مراد ہاف مین نے بالکل صحیح کہا ہے کہ:

''میرے پاس مسلمانوں کے لیے اس سے اچھا مشورہ نہیں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں بنیاد پرست ہوجائیں۔ اسلام کے حقیقی اور بنیادی نظریہ کی طرف واپس جائیں اور ان عوامل کا تجزیہ کریں جن کی بنا پر مدینہ، اندلس اور بنوعباس کے تجربات تاریخ کا حصہ ہیں۔''

(بحوالہ۔ عمر چھاپرا، مسلم تہذیب، اردو ترجمہ، ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی، ایریروز اکیڈمی، علیگڑھ۔ ۲۰۱۵ء، ص: ۲۴۶)

۶۔ غور وفکر کا ایک موضوع سیاسی اصلاح، اظہار خیال کی آزادی اور حقوق انسانی کی حفاظت کو بھی بنایا جانا چاہیے۔ یہ اس وقت قومی سطح پر بھی ضروری ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ سیاسی اصلاح کا لازمی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا جائے۔ حالات کی مساعدت کی شرط کے ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے، مگر فی الحال نہیں۔ البتہ سیاسی اصلاح کے مقصد سے یہ پالیسی بن سکتی ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں سے دوستانہ روابط کے ذریعہ سیاسی وعدالتی اصلاح اور معاشی ومعاشرتی ترقی جیسے مسلمات کی طرف متوجہ کیا جائے۔ کعبہ کو بھی صنم خانہ سے بھی پاسبان مل جاتے ہیں۔ اچھے لوگوں کے تعاون، حکمت ودانائی کی بدولت شدید ترین مخالفت کے باوجود اس پالیسی سے، بہت سے فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔

سیاسی اصلاح کے امکانات روشن ہو رہے ہیں۔لہریں اب مخالف سمت میں بہتی محسوس ہو رہی ہیں۔ عالم اسلام میں ناجائز سیاسی نظام اب اپنی بساط لپیٹتا دکھائی دے رہا ہے۔ مطلق العنانی ختم ہو رہی ہے۔ ترکی میں اسلام دوست جماعت کی حالیہ کامیابی اور فوجی بغاوت کی شرمناک ناکامی نے ترکی ہی نہیں بلکہ عالمی سیاست میں اصلاحات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ دنیا اب یہ سمجھنے لگی ہے کہ جمہوریت ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ جس میں آزادیٔ آراء، آزادی میڈیا، آزادی عدلیہ کی فضا ہوگی، کئی ملکوں میں جمہوریت کو فتح بھی حاصل ہو چکی ہے۔ اس وقت دنیا کی غالب مغربی تہذیب کی اساس مادیت ہے اور تنہا مادی خوش حالی انسان کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کرنے سے قاصر ہے۔ اس لیے ایسی تہذیب کی سخت ضرورت ہے جو مادی ترقی کے ساتھ روحانی بالیدگی بھی عطا کرے۔ جو فکر صحیح پر قائم ہو، موجودزمانہ میں یہ خوبی صرف اسلامی تہذیب کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو اس کا انتہائی صاف اور اعلیٰ وارفع عقیدہ کا حامل ہونا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہی اخلاقی برتری، عدل وانصاف کی حکمرانی اور روح کی بالیدگی کی بنا پر کل بھی ایک آئیڈیل کی حیثیت سے سامنے آ چکی ہے اور آج بھی بہترین آئیڈیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زمام عالم جب اس کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ خلائی پرواز کو اللہ کے انکار کی دلیل نہیں بنائے گی کہ اللہ کا اقرار ہی اس کی اساس ہے۔ میزائلوں اور راکٹوں کو اقوام عالم کو نیست نابود کر کے اپنے دائرہ اثر کی توسیع کا ذریعہ نہیں بنائے گی کہ اس کی تخلیق کا مقصد منفعت اقوام ہے۔ وہ ذرائع ابلاغ کو فحاشی کا آلہ نہیں بنائے گی۔ صنف نازک کو خواہشات کی تسکین کا سامان نہیں بنائے گی کہ وہ نصف انسانیت ہے۔ وہ ترقی کے بل پر لوٹ کھسوٹ نہیں مچائے گی کہ تحفظ انسانیت اس کی پہچان ہے۔ وہ جارح بن کر لوگوں کی عزت وناموس سے کھلواڑ نہیں کرے گی کہ احترام انسانیت اس کا شیوہ ہے۔ **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ** (آل عمران:۱۱۰) **الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ** (الحج:۴۱)

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات اسلامی تہذیب کے منفرد وممتاز مشن کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اسی لیے فساد فی الارض یا امت کے مسائل، ان کا حل صرف یہ ہے کہ امت یہ جانے کہ اس کا مقصد ومشن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور وہ یہ سمجھے کہ اس مقصد کے تکمیل کے لیے وہ اللہ کے ساتھ ایک میثاق اور عہد کر چکی ہے اور یہی میثاق اس کی بنیاد ہے۔

دنیا کا مستقبل آج اسلام ہے۔ اسلامی تہذیب کا مشن روزِ اول سے ہی ایک ہمہ گیر انقلاب رہا ہے۔ ہجرت مدینہ کے سفر کی بے سروسامانی میں سراقہؓ کو کسریٰ کے کنگنوں کی بشارت ہو یا غزوۂ خندق کے موقع پر روم و ایران اور شام و یمن کی فتوحات کی نوید، شاہان کسریٰ کے نام دعوتی خطوط ہوں یا سلطنت روم کے خاتمہ کے لیے تبوک کا سفر، سب اسی مشن کی آرزو، جستجو اور تفکر کے مظاہر ہیں۔

دنیا اپنے معمار کی چیرہ دستیوں سے عاجز آ چکی ہے اور اس سے نجات کی واحد راہ، خدائے واحد کو خدا اور رب ماننے کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہیں کہ اب غلبۂ اسلام کے بغیر دنیا کا کوئی مستقبل نہیں۔ نیوورلڈ آرڈر کا نعرہ دراصل مغرب کا اعتراف ہے کہ انسانیت اب ایک نئے جہاں کی تعمیر کی طرف گامزن ہے۔ اسے اچھی طرح پتہ ہے کہ انسانیت جہانِ نو کی ضرورت منداس وجہ سے ہے کہ اس کی بے خدا تہذیب اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے اور اس کی عالمی قیادت نے انسان کے دکھ والم میں ہی اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ دنیا کو امن و انصاف اور اس کے دکھوں کا علاج صرف وہ تہذیب فراہم کرسکتی ہے جس کی بنیاد بندگیٔ رب پر قائم ہو اور وہ ہے اسلامی تہذیب۔

مغربی دانشور مین ٹنگٹن کا یہ تجزیہ کہ اب اصل کشمکش مغرب اور اسلام کی اس خدا پرستانہ تہذیب کے مابین ہوگی، جو ہزار سال تک عملاً اپنی انسانیت نوازی کے فیوض و برکات سے انسانیت کو نواز چکی ہے، یہ دراصل مغرب کا اعتراف ہی ہے۔ مغرب خوف زدہ ہے اور اس کشمکش سے نمٹنے کی پوری تیاری کررہا ہے۔ یہ سب علامات ہیں کہ مستقبل یقیناً اسلام کا ہے۔ لیکن تقدیر کے اس فیصلہ کے لیے جدوجہد، ایمان و یقین، عزم بالجزم اور حکمت و تدبر ضروری ہے۔ اس راہ کی جدوجہد کا پہلا تقاضا اعتصام باللہ ہے کہ گہری للّٰہیت کے بنا معمولی کام بھی انجام نہیں دیا جاسکتا۔ ہماری جدوجہد کا مقصود اجر دنیا نہیں اجر آخرت ہو، ہم اصلاً جنت کے طالب ہیں اس لیے جنت کی وسعت کے بقدر، دلوں میں وسعت، خیالات میں وسعت، مقاصد میں وسعت، حوصلوں میں وسعت، رویوں اور سلوک میں وسعت اور جدوجہد میں وسعت ضروری ہے۔ اپنے مقصد کو پانے کے لیے یہ وسعت ناگزیر ہے:

وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران:۱۳۹)

دل چھوٹا نہ کرو، اور غم نہ کرو (ناامید نہ ہو) تم ہی غالب ہوگے اگر تمہارا ایمان صحیح ہے۔

امن کا قرآنی تصور

...... سید قطب شہید کے افکار کا مطالعہ ......

ڈاکٹر احسان اللہ فہد،
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ دینیات (سنی)، ویمنس کالج اے ایم یو علی گڑھ
ای میل: e.fahad1970@redifmail.com

معاشرہ میں امن وترقی کا قیام شریعت اسلامیہ کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اسلامی عقائد کی تشکیل کا بنیادی مقصد انفرادی اور اجتماعی سطح پر امن، ترقی اور خوشحالی کا قیام ہے۔ مفکرین ومصلحین اسلام نے اس کے معاشرتی پہلو پر بطور خاص زور دیا ہے۔ دور جدید میں متعدد دانشوران اسلام نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور انھوں نے اسلام کے اس نظام معاشرت وسیاست پر بڑی مدلل گفتگو کی ہے۔ عالم عرب میں اخوان المسلمون کے رہنما سید قطب شہید (۱۹۰۶ء-۱۹۶۶ء) کی تحریروں میں اسلام کے اجتماعی ومعاشرتی پہلوؤں کی مؤثر انداز میں تشریح وترجمانی ملتی ہے۔ سید قطب کا قلم اس انقلابی کا قلم ہے جو ظالم حکمرانوں کے خلاف کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں شہادت کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہے۔ آپ کی مایہ ناز تحریر ''السلام العالمی والاسلام'' کا مطالعہ اس مضمون میں پیش نظر ہے۔

سید قطب شہید کی یہ کتاب عربی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ امن عالم اور اسلام کے عنوان سے ہو چکا ہے۔ اس کے مترجم میاں منظور احمد ایم اے ہیں۔ جس کو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی نے ۲۴۴ صفحات میں شائع کیا ہے۔ سید قطب نے اس کتاب کے ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ ترقی وامن کا تصور اسلام کا ایک بنیادی اور اہم تصور ہے۔ یہ تصور اسلام کے مزاج سے گہری وابستگی رکھتا ہے۔ اسلام کا پورا نظام حیات، اُس کے قوانین وضوابط، اُس کے احکام ونواہی اور رسوم وآداب سب اس تصور کے ساتھ منسلک ہیں۔ (۱) سید صاحب کے مطابق اسلام سب سے پہلے فرد کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے اور اس کو امن وسلامتی

کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرد کی خانگی زندگی میں داخل ہو کر اس کے گھر کو پر سکون اور امن کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد پورے معاشرے پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے اور معاشرے میں رہنے والے سبھی لوگوں کے درمیان محبت ورحمت، باہمی ذمہ داری اور امن وسلامتی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسلام کا نظریۂ امن وسلامتی معاشرہ میں امن وسکون کے قیام کے ساتھ عالمی امن پیدا کرنے کا بھی خواہاں ہے اور اس کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

ضمیر کا امن

کسی بھی انسانی معاشرہ میں رہنے والے ہر شخص سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اگر اپنے معاملات کو درست کر لیں اور سماج میں رہنے والے کسی فرد کو اپنی طرف سے شکایت کا موقع نہ دیں تو اس معاشرے میں امن وامان کا قیام بہتر انداز سے ہوسکتا ہے۔ اسلامی نظام میں بھی فرد کو ایک بنیادی مقام حاصل ہے۔ اسلام فرد کے ضمیر میں مثبت امن وترقی کا بیج بوتا ہے۔ یہ امن توازن وتوافق سے پھوٹتا ہے، آزادی اور نظم وضبط سے ترکیب پاتا ہے۔ اعضاء وجوارح کی آزادی اور بنیادی صالح طاقتوں کو بروئے کار لانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ امن جذبات وخواہشات کی آراستگی سے نکلتا ہے اور فرد کے وجود، اس کے جذبات واحساسات اور خواہشات کا احترام کرتا ہے۔ اسلام بالکل ابتدائی قدم سے انسانی گفتگو اور دینی عقیدے کے درمیان امن وسلامتی پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا واضح عقیدہ ہے کہ اللہ ہی معبود واحد اور ہر چیز کا خالق ہے حضرت محمد ﷺ انسانی حیثیت میں بشر ہیں جنھیں بذریعہ وحی حکم دیا گیا ہے کہ اس معبودِ حقیقی کی عبادت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں۔ اسلام کوئی پہیلی اور معمہ نہیں ہے جو عقل وفہم کی روشنی سے دور ہو، جو انسانی گفتگو کو حیرت اور فرد کے ضمیر کو اضطراب میں ڈال دے۔ اسی طرح اسلام اپنے آپ کو نہ صرف افسانہ طرازی اور اوہام وخرافات سے انسانی ذہن کا نجات دہندہ قرار دیتا ہے بلکہ وہ معجزات وخوارق کے جبر وگھٹن سے بھی نکال دیتا ہے۔ وہ انسانی ذہن تک اپنی رسائی کا وسیلہ صرف اپنی وضاحت، سادگی اور حقائق کو ٹھہراتا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اتفاقاً آپ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن رونما ہوا۔ لوگ اس حادثے پر چلا اٹھے اور کہنے لگے کہ یہ گرہن حضور ﷺ کے فرزند کی وفات کے باعث ہوا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس وہم اور افسانہ طرازی کی فوراً نفی کر دی تاکہ وہ عقیدے کی سادگی اور صفائی پر اپنے اثرات مرتب نہ کرے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سورج اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک ہے جو کسی انسان کی موت سے گہن

میں نہیں آتا۔(۲)اس قاطع احتیاط اور روشن سچائی کے ساتھ آپﷺ نے لوگوں کو گہرے اوہام وخرافات کے لیے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی رغبت کے سامنے جھک جانے سے صاف بچالیا۔اسلام اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ فرد کی زبان اور عقیدے کے درمیان صلح وامن قائم کردیتا ہے۔

سید قطب شہیدؒ کے نزدیک اسلام فرد کی شدید فطری خواہشات اور اس کی روحانی تمناؤں میں صلح وامن کا متوازن معاہدہ قائم کرنا چاہتا ہے۔اسلام انسانی طبیعت میں پوشیدہ بنیادی ضروریات حیات کو تسلیم کرتا ہے اور اعتدال کے ساتھ انھیں افرادانسانی کی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش سے متعارض قرار نہیں دیتا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ آرزو بھی ایک بنیادی خواہش ہے جو انسانی طبیعت میں مخفی ہے۔

سید قطبؒ کہتے ہیں کہ اسلام جب انسان کو روحانی پاکیزگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور شہوات سے بچنے کا حکم صادر فرماتا ہے تو اس سے اس کی یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی ہے کہ حیوانی جذبات کا قلع قمع کردیا جائے اور زندہ طاقتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ نفس کی قیادت انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا کہ نہ وہ شہوات کا غلام بن جائے اور نہ ایک حیوان بن کر رہ جائے جس کی باگ ڈور محض جذبات کے ہاتھ میں ہو۔حظ نفسانی حاصل کرنے میں انسان اور حیوان کے راستے کو جدا کرنے والا صرف ارادہ ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد:۱۲)

(اور جو لوگ کافر ہیں وہ چارپایوں کی مانند نفسانی حظ اٹھاتے اور کھاتے ہیں۔)

اسلام میں مادی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کی دعوت افراد میں باہمی مسابقت کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلتا ہے۔ان دونوں کے درمیان سے اعتدال کی ایک صورت پیدا ہوتی ہے جو حد سے تجاوز اور محرومی دونوں سے پاک ہے۔قرآن کہتا ہے:

يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُواْ زِيْنَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ،قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُواْ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُون،قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ (الاعراف:۳۱-۳۲)

(اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت اختیار کیا کرو اور کھاؤ پیو مگر حد سے نہ بڑھو بلا شبہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ کہہ دو کہ کون ہے جس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور کون ہے جس نے رزق کی پاکیزہ چیزیں حرام کی ہیں۔ کہو کہ دنیوی زندگی میں بھی یہ ایمانداروں کے لیے ہیں مگر قیامت کے دن تو صرف انہی کے لیے ہوں گی۔ جاننے والوں کے لیے ہم یوں آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ کہو کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ ظاہر ہوں چاہے پوشیدہ اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کے ساتھ انہیں شریک بناؤ جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو بھی حرام کیا کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم تک نہیں۔)

سید قطب شہیدؒ کہتے ہیں کہ فرد کی فطری ضروریات کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام ایک قدم آگے بڑھ کر فرد کی خطا اور گناہ کے جذبات کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ نافرمانی اور گناہ کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے جو بھی چاہے بخشش مانگنے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف پیش قدمی کر سکتا ہے۔ کوئی بھی اسے اللہ کی رحمت سے دور نہیں کر سکتا، نہ اس کے اور پروردگار کے درمیان کوئی فاصلہ حائل کر سکتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

(کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو یقیناً اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے وہی غفور رحیم ہے۔)

اسلام نے اپنے قوانین و شعائر میں اس چیز کو ملحوظ رکھا ہے کہ فرد کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہ بنایا جائے یہی سبب ہے کہ اسلام اپنے تمام احکام و نواہی کو انسانی طاقت کی حدود میں رکھتا ہے اور کسی چیز کو واجب یا حرام ٹھہراتے وقت انسانی طبیعت کو اس کے تمام امکانات سمیت مدنظر رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ گنجائش بھی رکھتا ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنی استطاعت کے مطابق فرائض و واجبات کے علاوہ نفل بھی اختیار کرے۔ یہ اس وقت ہے جب انسان کو کوئی تنگی حرج اور مشقت نہ ہو اس طرح وہ انسانی طبیعت کو شکست و ریخت، سرکشی اور قلق و اضطراب سے محفوظ کر دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸٦)

(اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔)

سید قطب شہیدؒ کہتے ہیں کہ اسلام نفس انسانی کو اللہ کی طرف جھکنے، اس کی ہمسائیگی میں اطمینان پانے، اس کی رحمت و نگہداشت اور حمایت پر بھروسہ کرنے کی صفات سے مزین کر کے سکون اور امن و ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اس دینی عقیدے میں اسلام کو دیگر مذاہب پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس میں پرودگار اور بندے کے درمیان معاملہ بلاواسطہ ہے۔ کوئی کاہن یا پادری اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتا اور کسی آسمانی یا زمینی مخلوق کے ارادے کو اس میں دسترس حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن کا فرمان ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْن (البقرہ:۱۸۶)

(اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہو کہ یقیناً میں بہت قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو میں جواب دیتا ہوں سو انھیں میرا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے تا کہ بھلائی پائیں۔)

سید صاحب لکھتے ہیں کہ اسلام فرد کے لیے اللہ کے ساتھ قلبی تعلق کی ضمانت فراہم کرنے کے بعد اس کی عملی زندگی کے لیے ایسے قوانین بناتا ہے جو امن و سکون کی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔ اس طرح فرد اپنے ارد گرد صرف امن و انصاف اور ضروریات کی کفالت ہی دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فرد کو ہر نوع کی تعدی سے امن دیتا ہے۔ یہ تعدی اس جیسے کسی فرد کی طرف سے ہو یا حاکم کی جانب سے۔ فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں رہتا ہے جہاں اسے ہر طرف سے محبت ہی ملتی ہے۔ اس ماحول میں اسے جان و مال اور عزت و ناموس کی سلامتی حاصل ہے۔ (۳) حضورﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لایومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (۴) (تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔) کل المسلم علی المسلم حرام دمه وعرضه وماله (۵) (ایک مسلمان کی ہر چیز یعنی خون مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔)

گھریلو امن و سلامتی

سید قطب شہید کے نزدیک گھر انسان کا مرکز اور جائے سکون ہے۔ اس کی گود میں انسان آنکھیں کھولتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے۔ انسان کی تعلیم و تربیت اسی گھر کی چہار دیواری میں ہوتی ہے۔ دن بھر انسان محنت و مشقت کرتا ہے اور شام کو اسی گھر میں امن و سکون کی تلاش میں واپس پلٹتا ہے۔ ایسا فرد امن

وترقی کا بہترین نمائندہ بن سکتا ہے جس کے اعصاب پرسکون، دل مطمئن اور روح مضطرب نہ ہو۔ یہی سبب ہے کہ اسلام سلامتی کے بیج خانگی زندگی میں بھی بونا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے عائلی زندگی کے تعلقات کی ایک روشن اور شاداب تصویر پیش کرتا ہے۔ اس تصویر سے باہمی شفقت ورحمت کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ اس میں محبت کے سائے اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں، اس میں فیاضی اور مودت پھیلی ہوتی ہے اور مشک کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے۔(٦) جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم:٢١)(اور اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہی میں سے تمہارے جوڑے بنا دیے تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کر دی۔)

سید قطب شہیدؒ کے نزدیک اسلام نے عورت کو جو آزادانہ اظہار جمال سے روکا ہے اور اختلاط مرد وزن پر پابندی لگائی ہے وہ اسی گھریلو امن کو قائم کرنے کے لیے ہے۔ تا کہ میاں بیوی میں باہمی اعتماد ویقین برقرار رہے۔ شرم وحیا وقار اور تحفظ کے احکام اسی مقصد کو سامنے رکھ کر دیے گئے ہیں۔ ان احکام کی اہمیت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بدرجہ اتم مسلم تھی اور آپ کی ازواج مطہرات کو بھی یہی احکام دیے گیے تھے۔ قرآن کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب ۵۹)(اے نبی ﷺ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی لمبی چادروں کا کچھ حصہ او پر لٹکا لیا کریں۔)

مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا یہ حق ہے کہ اپنے رفیق سے مطمئن ہو اور کسی ایسے اشتعال کی طرف متوجہ نہ ہو جس کے باعث اُس کے جذبات اس کے ساتھی کی طرف سے پھر جائیں۔ گویا انحراف اسے گناہ اور لغزش پر مائل نہ کرے کیونکہ یہ چیز معاشرتی زندگی کے مقدس قلعے کو ڈھا دیتی ہے اور فضا سے پورے اعتماد واطمینان کو زائل کر دیتی ہے۔(۷)

عائلی زندگی میں امن وترقی کے لیے اسلام سب سے پہلے بچاؤ کی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ وہ شرم وحیا کا حکم دیتا، آوارگی کو حرام ٹھہراتا، مرد وزن کے آزادانہ میل جول پر قدغن لگاتا اور فتنے سے بچاتا ہے۔ وہ فحاشی سے منع کرتا اور اسے کفر وشرک کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ استطاعت کی صورت میں اس کا حکم ہے کہ نکاح کے ذریعے سے پاکبازی کو آسان بنایا جائے۔ حتی کہ وہ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نکاح کے

خواہش مند کی مالی مدد کی جائے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے نکاح کی استطاعت نہ ہوتو جسم کے اشتعال کو ہلکا کرنے کے لیے روزے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر بدکاری واقع ہو جائے تو وہ گھریلو امن وسلامتی اور معاشرے کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے بدکار مرد وعورت کو عبرت ناک سزا دیتا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (النور:۲-۳) (زنا کار عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تمہارا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے تو دین خداوندی کے بارے میں نرمی نہ کرو اور ایمانداروں کی ایک جماعت کو ان کی سزا کے موقع پر موجود ہونا چاہیے۔)

سید قطب شہید کہتے ہیں کہ اسلام چاہتا ہے کہ مرد و عورت کی ازدواجی زندگی نہایت پرسکون اور امن وسلامتی کی ضامن ہوں۔ مگر جب میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں اور امن کسی طرح بھی قائم نہ ہو سکے تو حقیقی امن وسلامتی کو قائم کرنے کے لیے اسلام نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ:۲۲۹) (طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو نیکی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ رخصت کرنا ہے۔)

اسلام میں طلاق کی حیثیت امن وخوشحالی کے ایک پختہ دستاویز کی ہے۔ کیونکہ اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں استعمال کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہے، اس کے بعد بھی ازدواجی رشتے کو بچانے کی خاطر یکے بعد دیگرے کئی کوششیں ہوتی ہیں زوجین کو اصلاح حال اور باہمی رجوع پر بار بار مائل کیا جاتا ہے۔ زوجین کو ایک کے بعد دوسری فرصت ملتی ہے جس میں وہ اپنے جذبات واحساسات کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ باہمی تعلقات میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور طبیعت کو جانچنے میں اگر کوئی خطا ہو گئی تھی تو اس کا تدارک کر سکتے ہیں۔ اپنی عقل وشعور کو غلط کاریوں سے بچانے کا عہد کر سکتے ہیں۔(۸)

اسلام خاندان کے تمام افراد کے لیے امن وسلامتی کا اہتمام کرنا چاہتا ہے۔ وہ خاندان کے تمام افراد کے باہمی تعلقات کو منظم کرتا اور ان سب میں باہمی کفالت پیدا کرتا ہے۔ اس باہمی کفالت میں

کچھ حقوق وفرائض ہوتے ہیں، کچھ آسائشیں اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں، ان سب کا نتیجہ باہمی اعتماد، زندگی اور مستقبل کا سکون واطمینان اور امن وقرار کا شعور ہوتا ہے۔

بچے کی پرورش ونگہداشت کے لیے صرف ماں کا جذبہ، شفقت اور اس کی ضروریات کے اہتمام اور ماں کے اخراجات کے لیے جذبہ پدرانہ ہی کافی تھا، مگر اسلام اس گہرے جذبہ شفقت پر صریح احکام کا بھی اضافہ کرتا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے:

وَالْـوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعلَى الْمَوْلُودِ لَـهُ رِزْقُهُـنَّ وَكِسْـوَتُهُـنَّ بِـالْـمَـعْرُوفِ لاَ تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلاَّ وُسْعَهَا لاَ تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَـوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ (البقرہ:۲۳۳) (اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دوسال تک دودھ پلائیں اس شخص کے لیے جو مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور دودھ پلانے والیوں کی خوراک اور لباس کی ذمہ داری معروف طریقے سے باپ پر ہے۔ کسی شخص پر صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جتنی اس کی گنجائش ہو نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے۔)

یہ تو والدین کے فرائض تھے ان کے مقابلے میں اللہ نے قرآن پاک میں ان کے کچھ حقوق بھی متعین فرمائے ہیں۔ یہ حقوق ان کے فرائض کی نسبت کچھ زائد ہیں کیونکہ ان میں پدری و مادری احترام واطاعت اور ادب بھی مناسب حد تک شامل ہیں۔ اس طرح بڑھاپے میں ان پر شفقت وعطوفت کا حال بھی ہے۔ قرآن ان معانی کو جن الفاظ میں ادا کرتا ہے اُن سے مہربانی، رقت اور صفائی پھوٹی پڑتی ہے:

وَقَـضَـى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُـمَـا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماO وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الـرَّحْـمَةِ وَقُـل رَّبِّ ارْحَـمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (الاسراء:۲۳-۲۴) (اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو اور انھیں مت جھڑکو اور ان سے عزت واحترام سے بات کرو اور ان کے لیے رحمت کی وجہ سے عاجزی کا بازو جھکا دو اور کہو کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔)

یہ کفالت باہمی خاندان کے تمام افراد پر محیط ہو جاتی ہے۔ اس کے احکام پہلے قریبی رشتہ داروں پر عاید ہوتے ہیں حتیٰ کہ دور کے قرابت داروں کی باری بھی آجاتی ہے۔ اس کے ذریعے سے خاندان

کے اندرونی نظام میں ایک قسم کی اجتماعی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب خاندان کے تمام افراد اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو پورا خاندان امن وخوشحالی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

معاشرے کا امن

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ معاشرے کے افراد کی مصلحتیں اوران کی خواہشات آپس میں متصادم ہوتی ہیں۔ کھینچا تانی کی کثرت اور لین دین کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔اس میں افراد افکار واشیاء کا تبادلہ کرتے ہیں۔ جماعتیں باہم تعامل کرتی ہیں۔قوتیں مل جل کر کام کرتی اور تاثیر وتأثر کا کام انجام پاتا ہے۔فرد، گھر، خاندان سب معاشرے میں جذب ہوتے ہیں۔معاشرے کا عظیم بار سب پر محیط ہوتا ہے اس کا اثر سب پر چھایا رہتا ہے۔فرد اور فرد کے درمیان ہمیشہ مزاحمت اور بھاگ دوڑ کا تعلق ہوتا ہے۔ ایک طبقہ اور دوسرے طبقے کے مابین ابدی تصادم اور عداوت کا علاقہ پایا جاتا ہے اور افراد واقتدار کے درمیان ہمیشہ جبر واکراہ کا ہی تعلق ہوتا ہے لیکن اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ ان سب کے درمیان محبت ورحمت باہمی ذمہ داری اور تعاون اور امن وسلامتی کا تعلق پیدا کرتا ہے وہ یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ وہ بنیاد جس پر ان سب کی زندگی قائم ہے وہ حقوق وفرائض کا باہمی توازن ہے۔منافع اور ذمہ داریوں کی عادلانہ تقسیم ہے اور محنت ومعاوضے کے درمیان صحیح توازن ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ان سب کا آخری مقصد زندگی کی بقا، اس کی نشو ونما اور ترقی ہے۔اس کے پیش نظر ہر عمل وفعل اور فکر ونیت میں زندگی کے خالق، اللہ کی رضا ہونی چاہیے۔(۹)

اسلام، معاشرہ کی بنیاد سب سے پہلے افراد کے ضمیروں اور وجدان میں رکھتا ہے وہ وہاں روح کی گہرائیوں میں محبت کا بیج بوتا اور رحمت کی باد نسیم چلاتا ہے۔ یہ خالص انسانی محبت اور بے لوث انسانی رحمت ہے۔اس کے لیے اسلام لوگوں کو ان کی اولین پیدائش کی طرف متوجہ کرتا ہے جو ایک جان سے وقوع پذیر ہوئی تھی۔ وہ ان کے وجدان میں نسب اور رشتے کا شعور بیدار کرتا ہے اور انھیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ کی ایک مخلوق ہونے میں، نشو ونما میں اور خدا کی طرف واپسی میں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ جب ان لطیف جذبات سے ان کے دل نرم ہوجاتے ہیں تو وہ باہمی فیاضی کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔اس طرح وہ امن وسلامتی سے قریب تر ہوجاتے ہیں۔اللہ کا فرمان ہے:

يَـا أَيُّهَـا النَّـاسُ اتَّـقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

مِنۡهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً (النساء:۱) (اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ ہی سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کے معاملے میں ڈرو یقیناً اللہ تم پر نگراں ہے۔)

لوگوں کے دلوں میں محبت اور مودت پیدا کرنے کی خاطر اسلام مسلمانوں کو کچھ انفرادی اور اجتماعی آداب سکھاتا ہے وہ منع کرتا ہے کہ نفوس میں کینے بھڑکیں اور قلوب پر بغض وعداوت کا قبضہ ہو جائے۔ وہ قوانین وضوابط کی مدد لینے سے پہلے ان عظیم آداب شفقت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گو ضرورت کے وقت وہ قانون وتعزیر سے بھی مدد لیتا ہے لیکن اس کا اصلی زور اخلاق وآداب پر ہوتا ہے کیونکہ مہذب رویہ، خوبصورت آداب اور بہتر معاملہ سب ایسی چیزیں ہیں جو اجتماعی زندگی میں خوش دلی، باہمی رضا اور سکون واطمینان پھیلا دیتی ہیں۔ وہ دوسروں پر بڑائی جتانے اور فخر وتکبر کو ناپسند کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ٥ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (لقمان:۱۸-۱۹) (اور اپنا رخسار لوگوں کے سامنے نہ پھلا اور زمین میں اکڑ کر مت چل، یقیناً اللہ کسی مغرور گھمنڈی کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ بلاشبہ سب سے ناپسند آواز گدھوں کی آواز ہے۔)

اسلام نفس انسانی کے باریک ترین احساسات کا بھی لحاظ رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اس بات سے بھی روکتا ہے کہ تیسرے شخص کی موجودگی میں دو آدمی کوئی خفیہ بات کریں جس میں وہ شامل نہ ہو۔

اذ كان ثلثة فلايتناجىٰ اثنان دون الثالث فان ذلك يوذيه ـ(۱۰) (جب کسی جگہ تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر کوئی سرگوشی نہ کریں کیونکہ اس سے اُس کو اذیت ہوگی۔)

اسلام نے اپنی نیکی اور کسی پر کیے ہوئے احسان کو جتانے سے بھی روکا ہے کیونکہ نیکی جتانا فی نفسہ ایک کمینہ عادت ہے اور اس سے ان لوگوں کو اذیت ہوتی ہے جن کے ساتھ نیکی کی گئی ہو یہی سبب ہے کہ اس سے صدقہ مٹ جاتا اور نیکی برباد ہو جاتی ہے اور شکر واعتراف کے بجائے ناراضگی اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاسِ

وَلاَ یُؤمِنُ بِاللّہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ فَمَثَلُہُ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَأَصَابَہُ وَابِلٌ فَتَرَکَہُ صَلْداً لاَّ یَقْدِرُونَ عَلَی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُواْ وَاللّہُ لاَ یَہْدِیْ الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ۔ (اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور تکلیف دے کر ضائع مت کرو اس شخص کی مانند جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو پھر اسے موسلا دھار بارش پہنچی کہ اسے صاف کر جائے ایسے لوگ اپنے اعمال میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور اللہ ناشکرے لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔)

سید قطب شہید کا خیال ہے کہ اسلام عداوتیں بھڑکانے اور کینہ پیدا کرنے والی چیزوں سے مسلمانوں کو دور رہنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ جوئے بازی کی مجلسیں جن میں حرام کمائی اور متعدی نقصانات کے باعث دلوں میں عداوتوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اور جیسا کہ شراب کی محفلیں جن میں جذبات اور بکواس پر عقل وارادے کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ أَن یُوقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاء فِیْ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّہِ وَعَنِ الصَّلاَۃِ فَہَلْ أَنتُم مُّنتَہُونَ (المائدہ:۹۱) (یقیناً شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے اندر عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آجاؤ گے۔)

اس طرح سے انفرادی اور اجتماعی آداب زندگی کی فضا کو صاف کرنے اور دلوں میں محبت والفت کی اشاعت کرنے میں اپنا کام کرتا ہے اور واقعات وشعور کی دنیا میں معاشرے کی بنیاد امن وسلامتی پر رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ سید قطب شہید آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اسلام معاشرے میں افراد کو مشترکہ مصالح کے رابطے میں منسلک کرتا ہے ان کے دلوں میں تعاون اور باہمی ذمہ داری کے شعور کو مفاد عامہ کے لیے ان پر عائد ہونے والے فرائض کے شعور کو قوی کرتا ہے۔ انفرادی آزادی کے حدود کو مشترک مصلحت کے پیش نظر قائم کرتا ہے۔ سب لوگوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرے کے کچھ مشترک مقاصد ایسے ہیں جنھیں فرد اکیلا پورا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا انھیں سب تک پہنچانے کے لیے باہم تعاون ناگزیر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ الامام راع ومسئول عن رعیتہٖ والرجل راع فی اھلہٖ ومسئول عن رعیتہٖ والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا والخادم راع

فی مال سیدہ ومسئول عن رعیتہ والرجل راع فی مال ابیہ ومسئول عن رعیتہ وکلکم راع ومسئول عن رعیتہ۔(۱۱)

(تم سب ذمہ دار ہواور سب سے اُن کی ذمہ داریوں کی بابت پوچھ گچھ کی جائے گی۔حاکم ذمہ دار ہے اور اسے اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی اور مرد اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اسے اپنی جوابدہی کرنی ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار ہے اوراس سے ذمہ داری کا سوال کیا جائے گا اور نوکر اپنے آقا کے مال میں ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کا جوابدہ ہے اور مرد اپنے باپ کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اسے اپنی جوابدہی کرنی پڑے گی۔پس تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے لیے جوابدہ ہے۔)

سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں کہ اسلام معاشرے میں فرد اور جماعت کے لیے ایک انقلاب لا کر امن وسلامتی کو قائم کرتا ہے اور وہ اسے محدود ذات کے جہان سے اٹھا کر اس سے بلند تر اور وسیع تر دنیا میں لے جاتا ہے۔معاشرے میں تصادم اکثر اس وجہ سے رونما ہوتا ہے کہ فرد کی دبی ہوئی طاقت اور صلاحیت کو کوئی مصرف نہیں ملتا۔اس طاقت کے سامنے مسابقت کے لیے ایک نا قابل اور تنگ میدان ہوتا ہے۔یہی وہ وقت ہوتا ہے جب زندگی کے مقاصد بے وقعت ہو جاتے ہیں فرد کا چھوٹا سا عملی جہاں عمل کا میدان اور خیال اور فکر ونظر کی جولا نگاہ بن جاتا ہے۔اسلام فرد یا جماعت کو چھوٹے چھوٹے محدود مقاصد کی گود سے نکال کر آزاد زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی فضا میں لے جاتا ہے اس وقت فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کی خاطر زندہ ہے۔وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔اس کی اپنی ذات اس کی ملکیت نہیں اور اس کی جدوجہد اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے وقف ہے۔قرآن پاک کا اپنے ماننے والوں سے مطالبہ ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ۔ (آل عمران:۱۱۰)(تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان پر رکھتے ہو۔)

دوسری جگہ قرآن نے مسلمانوں سے اس طرح مطالبہ کیا ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (آل عمران:۱۰۴)(اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت

دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

اس طرح اسلام اپنے ماننے والوں کے سروں اور آنکھوں کو زمین سے بلندتر چیزوں کی طرف اٹھاتا ہے اور اس کے ذاتی مصالح سے انھیں بلندتر کردیتا ہے۔ وہ ان کو حکم دیتا ہے کہ عالمی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔ نیکی کی اشاعت کریں اور برائیوں کا قلع قمع کر کے ساری انسانیت کی جامع مصلحت کو بروئے کار لائیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں تا کہ اللہ کا کلمہ سربلند و سرفراز ہو جائے اور زمین امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ اس بلند مقصد کو حاصل کرنے کی راہ میں افراد کی شخصیتوں، مصلحتوں، آرزوؤں اور خواہشات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّهِ۔ (الانفال:۳۹)(اور دشمنوں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت ساری صرف اللہ کی ہو جائے۔)

سید قطب شہیدؒ کے نزدیک اسلام قیام حکومت کے ذریعہ بھی اجتماعی زندگی کی عمومی تنظیم کا دعویدار ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے قانونی عدل وانصاف کی ضمانتیں بھی مہیا کرتا ہے اور امن وسلامتی کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔ اسلام میں حکومت کا نظام اس بات کا ذمہ دار ہے کہ حاکم ومحکوم کے درمیان سلامتی اور عدل واطمینان کے علاقے قائم کیے جائیں۔ انہی تعلقات پر اجتماعی امن وسلامتی کی عمارت صحیح وسالم اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر ہوسکتی ہے۔

اسلام کا نظام حکومت عوام کی آزادانہ رغبت اور ان کی مرضی اور اختیار سے قائم ہوسکتا ہے۔ قرآن کا واضح حکم ہے کہ:

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ (شوری:۳۸)(اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔)

قرآن پاک اپنے ماننے والوں سے جس عدل کا مطالبہ کرتا ہے وہ بے لاگ عدل وانصاف ہے جو نہ محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ عداوت سے، نہ مال و جاہ سے دبتا ہے اور نہ حکام سے۔ قرآن پاک میں عدل وقسط کی آیات دوٹوک، واضح و جامع ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيْراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْراً (النساء:۳۵)(اے ایمان والو! انصاف کو خوب قائم

کرنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو اگر چہ وہ اپنے خلاف یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ اگر کوئی دولت مند یا مفلس ہوگا تو اللہ ان دونوں کو زیادہ جانتا ہے پس تم عدل کرنے میں ہوائے نفس کے پیچھے مت چلو اور اگر جھکو گے یا اعراض کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے پورا باخبر ہے۔)

اسلام حاکم کی اطاعت کو محکوم پر لازم ٹھہراتا ہے۔ اور اس اطاعت کو صرف اسی وقت تک لازم قرار دیتا ہے جب تک حاکم اس شریعت پر خود عمل کرے اور اسے دوسروں پر نافذ کرے اور جب حاکم و محکوم میں کسی فیصلے میں اختلاف ہو جائے تو حاکم و محکوم دونوں اس کے تصفیے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں گے۔ جیسا کہ ارشار بانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ (النساء:۵۹)(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ارباب اقتدار کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔)

عالمی امن

سید قطب شہید کا خیال ہے کہ اسلام ساری انسانیت کو ایک بشریت شمار کرتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مذاہب کو ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب تسلیم کرتا ہے۔ تمام اہل ایمان کو ایک امت گردانتا ہے۔ اس دین واحد کے اطوار و اوضاع میں سے اسلام کو آخری اور انتہائی دور گردانتا ہے۔ وہ اپنے سے پہلے گزرنے والے دور کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے کیونکہ وہ خود اس کا آخری سلسلہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ (المائدہ: ۴۸)(اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری درآنحالیکہ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی اور ان کے مضامین کی حفاظت کرتی ہے۔)

عالم بشریت کی طرف سے مسلمانوں پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کیونکہ انھیں اس پر وصی ٹھہرایا گیا ہے اور ان کی کتاب کو بشریت کی کتابوں پر مہیمن بنایا گیا ہے۔ وہ اس بات کی مکلّف ہیں کہ زمین پر وہ امن و سلامتی قائم کریں اور عدل و مساوات کی بنیاد پر پوری دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ

بنا دیں۔امت مسلمہ کوامت وسط بنایا گیا ہے یعنی وہ زندگی کے تمام مقاصد ومعاملات میں افراط وتفریط کے درمیان راہ عدل پر ہے۔امت مسلمہ پر فرض ہے کہ وہ اس بوجھ کو اٹھائے اوراس فریضے کی ادائیگی کا اہتمام کرے کیونکہ خالق کائنات کی طرف سے اس دنیوی زندگی میں یہی اس کا مقدر وحصہ ہے۔قرآن کا فرمان ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (البقرہ:۱۴۳) (اوراسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنواور پیغمبر تم پر گواہ بنے۔)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ (آل عمران:۱۱۰) (تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی خاطر نکالا گیا ہے تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اوراللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

سید قطب شہیدؒ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو زبردستی امت مسلمہ میں داخل ہونے پر مجبور کریں بلکہ ان کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی حمایت کریں، ان کو تمام فتنوں سے محفوظ کریں، ان کے خلاف استعمال ہونے والی قوت کو قوت سے دور کریں۔ان کو اس بات کا بھی مکلّف بنایا گیا ہے کہ وہ عدل وقسط کو زمین پر قائم کریں۔انسانیت کو زندگی کے تمام میدانوں میں اس عدل سے فائدہ پہنچائیں چاہے یہ عدل معاشرے کے افراد سے متعلق ہو، چاہے قوم میں مختلف جماعتوں سے متعلق یا زمین پر بسنے والی سب قوموں سے متعلق ہو جس سے مل کر بشریت کبریٰ وجود میں آئی ہے۔یہ حکم اہل ایمان سے اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ ظلم وبغاوت دنیا میں کہیں بھی ہو اس کا مقابلہ کریں، خواہ وہ ایک فرد کا اپنے اوپر ظلم ہو۔ایک جماعت کا اپنے پر ظلم ہو یا حکومت کا اپنی رعایا پر ظلم ہو۔پس ظلم ساری دنیا میں کہیں بھی ہو، امت مسلمہ اس کا مقابلہ کرنے اوراس کے اسباب کا ازالہ کرنے پر مأمور ہے۔وہ ایسا اس مقصد سے نہیں کرے گی کہ زمین کی مالک بنے۔مادی فوائد پر غلبہ حاصل کرے اور گردنوں کو جھکا کر لوگوں کو غلام بنائے بلکہ اس لیے کرے گی کہ ہر غرض سے بالاتر ہو کر زمین میں اللہ کے کلمے کو قائم کرے۔(۱۲)

سید قطب شہیدؒ نے امن وترقی اور خوشحالی کے قیام کے لیے مسلم فرد، مسلم گھرانہ، مسلم معاشرہ اور

عالم اسلام کی ان چاروں سطحوں پر اسلام کی جو مؤثر ترجمانی کی ہے اس کا سراغ ہمیں اسلاف کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔ سید قطب شہید کے خیال میں امن وترقی کے قیام کے لیے مندرجہ بالا اصول اسلام کی بنیادی، روحانی ومعاشرتی تعلیمات ہی سے عبارت ہیں۔ اوران پر عمل کے بغیر امن وترقی کا خواب محض ایک خواب ہی ہوگا۔

حواشی

۱- سید قطب شہید، السلام العالمی والاسلام، اردو ترجمہ امن عالم اور اسلام، مترجم میاں منظور احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۲۰۰۰، ص: ۱۵

۲- ایضاً، ص: ۴۹

۳- سید قطب شید، السلام العالمی والاسلام، حوالہ بالا، صفحہ ۳۷

۴- محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، جلد اول، اصح المطابع، جامع مسجد، دہلی۔ ۶

۵- ابوعبداللہ محمد بن یزید القزینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق علامہ ناصرالدین البانی، حدیث: ۳۹۳۳، صفحہ ۶۴۹، مکتبۃ المعارف للنشر والتوازیع

۶- سید قطب شہد، السلام العالمی والاسلام، حوالہ بالا، صفحات: ۷۹-۸۰

۷- سید قطب شہید، السلام العالمی والاسلام، حوالہ بالا، ص: ۸۵

۸- سید قطب شہید، السلام العالمی والاسلام، حوالہ بالا، ص: ۹۹

۹- سید قطب شہید، السلام العالمی والاسلام حوالہ بالا، ص ۱۱۳

۱۰- ابوعبداللہ الزوینی، سنن ابن ماجہ، حوالا بالا، حدیث: ۳۷۷۵

۱۱- محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حوالہ بالاص: ۱۲۲، باب الجمعہ فی القریٰ والمدن

۱۲- سید قطب شہید، السلام العالمی والاسلام، حوالہ بالا، ص: ۱۸۴

اعراب القرآن

......اور علامہ فراہی رح......

ابوالاعلی سید سبحانی

اعراب القرآن ایک مستقل علم ہے یا یہ علم تفسیر کا حصہ ہے، یا اس کا تعلق علم نحو سے ہے، اس سلسلے میں متعدد آراء موجود ہیں، لیکن قرآن مجید کی آیات پر غور وتدبر کے تناظر میں اور شرعی احکام کے استنباط اوران کی تشریح کے تناظر میں اعراب القرآن کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس بات پر اہل علم کے درمیان بڑی حد تک اتفاق پایا جاتا ہے۔ قدیم مفسرین کے ہاں بھی اس کی قدر و قیمت اور ضرورت پر گفتگو ملتی ہے اور جدید مفسرین کے ہاں بھی۔

مکی ابن ابی طالب پانچویں صدی ہجری کے معروف ماہر قرآنیات ہیں، اعراب القرآن پر ان کی کتاب ''مشکل اعراب القرآن'' اپنے موضوع پر بہت ہی اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب میں وہ اعراب القرآن کی اہمیت اور ضرورت پر شاندار گفتگو کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

> ورأيتُ مِن أعظم ما يجبُ على الطالبِ لعلومِ القرآنِ الراغبُ فى تجويدِ ألفاظه وفهمِ معانيه ومعرفةِ قراءاتِه ولغاتِه وأفضلُ ما القارئ إليه محتاجٌ معرفةُ اعرابِهِ والوقوفُ على تصرُّفِ حركاتِه وسواكنِهِ۔ يكون بذلك سالماً من اللحنِ فيه مستعيناً على أحكامِ اللفظِ بِهِ مطّلعاً على المعانى التى قد تختلفُ باختلافِ الحركاتِ متفهماً لما أرادَ الله به من عبادِهِ۔ اِذْ بمعرفةِ حقائقِ الاعرابِ تُعرفُ أكثرُ المعانى وينجلى الاشكالُ فتَظهرُ الفوائدُ ويُفهَمُ الخطابُ وتَصحُّ معرفةُ حقيقةِ المرادِ۔ (مشكل اعراب القرآن: ٦٣/١)

چھٹی صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے معروف مفسر قرآن ابن عطیہ الاندلسی کی رائے میں

اعراب القرآن کا علم شریعت کی معرفت کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، وہ کہتے ہیں کہ اسی کے ذریعہ قرآن مجید کے معانی طے ہوتے ہیں، جس کو شریعت کہا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

اعرابُ القرآن أصل في الشريعةِ، لأن بذلك تقوم معانيه التي هي الشرع۔

(تفسير ابن عطية/المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: ٤٠/١)

خاص طور پر اعراب القرآن کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تفاسیر بھی لکھی گئی ہیں اور الگ سے کتابیں بھی تصنیف کی گئی ہیں۔ لیکن عموماً تمام ہی مفسرین نے کم یا زیادہ اعراب القرآن سے متعلق بحثوں کو اپنی تفاسیر میں جگہ دی ہے۔ ہندوستان میں فراہی مکتب فکر سے وابستہ ماہرین قرآنیات کا علمی وتحقیقی سرمایہ اعراب القرآن کے سلسلہ میں بہت ہی نمایاں مقام رکھتا ہے۔

ترجمان القرآن امام فراہی علیہ الرحمہ کی تفسیر نظام القرآن اور دیگر رسائل میں اعراب القرآن سے متعلق گراں قدر نکات ملتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں بھی اعراب القرآن سے متعلق قیمتی نکات ملتے ہیں۔ مولانا اختر احسن اصلاحی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب اطال اللہ بقاءھم کے قرآنی افادات اعراب القرآن کے تعلق سے گراں قدر علمی اضافہ ہیں۔ مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی حفظہ اللہ ورعاہ کی تفسیر ''البرہان فی نظام القرآن'' اور قرآنیات پر آپ کی دوسری کتابوں میں بھی اعراب القرآن سے متعلق کافی اہم بحثیں موجود ہیں۔

اس تحریر میں اعراب القرآن سے متعلق امام فراہی علیہ الرحمہ کی چند منفرد آراء کا مطالعہ پیش نظر ہے:

پہلی مثال:

سورہ آل عمران کی آیت ۷۹ اور ۸۰ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَاداً لِّي مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن كُونُواْ رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ۔ وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَاباً أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ۔

اس آیت کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ لا یأمر کم کا اعراب کیا ہے، اور اس میں محذوف ضمیر فاعل اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا رسول کی طرف۔ اس آیت کے ضمن میں امام فراہی

نے بہترین گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں:

التقدیر فی المعطوف کثیر فی القرآن و کفی به مستندا۔

بطور مثال یہ آیت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لا نعلم أحدا من المفسرین من قرأ (لا یأمرکم) بالنصب و جعل الضمیر لله، ولکن لا نشك أن الضمیرَ لله، والعطف علی المنفی المذکور (ما کان)، والتقدیر: (ما کان لله أن یأمُرَکم أن تتخذوا الملائکة--- الخ) کما قال تعالی: وما کان اللهُ لیُضیعَ ایمانَکم انَّ اللهَ بالناسِ لرءوفٌ رحیمٌ (البقرة: ۱٤۳)۔

اس صورت میں آیت کا مفہوم کیا ہوگا، آگے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمفهوم الآیة المستَنَدُ بها أنه بعید عن نبی الله أن یأمُرَ الناس بأن یتخذوه ربا، وبعیدٌ عن الله أن یأمُرَکم بأن تتخذوا النبیَ ربا، ولکنَّه أمرکم جمیعا أن تکونوا لله عبدا۔ (النحو الجدید۔ رسالة غیرمطبوعة للفراهی)

دوسری مثال:

سورۃ النساء کی آیت ۱۶۲ ہے:

لَّـكِنِ الرَّاسِخُونَ فِيْ الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلاَةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أُوْلَـئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ أَجْراً عَظِيْماً۔

شیخ سمین الحلبی اس آیت کی تفسیر میں "المقیمین الصلوۃ" کے اعراب سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کے سلسلہ میں نحویوں کے درمیان کافی الجھنیں پائی جاتی ہیں، اور اس کے سلسلے میں چھ اقوال موجود ہیں:

فأما قراءة الیاء فقد اضطربت فیها أقوال النحاة، وفیها ستة أقوال۔

امام فراہی علیہ الرحمہ نے النحو الجدید میں اس پر شاندار گفتگو کی ہے، اور یہ گفتگو امام فراہی علیہ الرحمہ کے علاوہ کسی اور کے ہاں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت میں مذکور فعل "سنوتیهم" کا مفعول مقدم ہے، جیسے کہا جاتا ہے: زیدا ضربته۔

لکھتے ہیں:

فنصب المقيمين على جواز محلين الرفع والنصب فى المفعول المقدم الراجع اليه الضمير كقوله تعالى (وأما ثمود فهديناهم) فلك أن تحسِبَ ثمود مبتدأ أو مفعولا مقدما (الذى يعُدُّونَه من باب الاضمار بشرط التفسير) وفى الآيةالمستَنَد بها خمسةُ ألفاظ والمقيمين وسطُها، والعجبُ من جهلاءِ الرواة أنهم قالوا بأن فى القرآن لحنا۔ (النحو الجديد۔ رسالة غيرمطبوعة للفراهى)

تیسری مثال:

'اقسام القرآن' علوم القرآن کا ایک اہم باب ہے، اقسام القرآن کے اوپر قدیم علماء نے بھی کافی کام کیا ہے اور بعد کے زمانے میں بھی اس کے اوپر کافی کچھ کام ہوا ہے۔ اقسام القرآن سے متعلق مباحث میں ایک اہم بحث ''لا نافیہ'' سے متعلق بھی ہے، جو مختلف سورتوں میں قسم سے پہلے آیا ہے، کہ وہ متصل ہے، یا منفصل یا زائد۔ اور پھر اس قسم کے معنی ومفہوم اور اس کے مقسم علیہ کی تعیین سے متعلق بھی بحثیں موجود ہیں۔ علامہ فراہی علیہ الرحمہ اس پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کرتے ہیں، سورہ قیامہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لا أقسم میں ''لا''، منفصل یعنی جملہ سے بالکل الگ ہے اور مخاطب کے خیال کی تردید کررہا ہے۔ یعنی انسان نے یہ جو خیال کر رکھا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، بالکل غلط ہے۔ قیامت ضرور آئے گی۔ بعض لوگوں نے ''لا'' کو زائد مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مذہب نہایت غلط ہے۔ بعض اس کو متصل یعنی ''أقسم'' سے لگا ہوا مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مذہب بھی صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو اس صورت میں آیت کے معنی بگڑ جاتے ہیں، ثانیاً قرآن کی تصریحات علانیہ اس مذہب کے خلاف ہیں۔ مثلاً فرمایا ہے:

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ۔ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ۔ (الواقعہ:۷۵-۷۶)

(پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مواقع کی اور بیشک اگر تم جانو تو یہ بہت بڑی شہادت ہے۔)

اگر اس کو متصل مانا جائے تو یہ کہنے کے بعد کہ ''میں نہیں قسم کھاتا'' یہ کہنے کے کیا معنی کہ ''اگر تم جانو تو یہ بہت بڑی قسم ہے''۔ مزید تفصیل کے لیے آیت کی تفسیر پڑھنی چاہیے۔'' (نظام

القرآن، ص:۲۴۳)

علامہ فراہی علیہ الرحمہ کی تحقیق ہے کہ یہ عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے، جس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور اشعار عرب میں بھی۔ لکھتے ہیں:

''قسم سے پہلے ''لا'' کا منفصل آنا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ کــلا بھی بالکل اسی نوعیت سے آیا کرتا ہے۔ مثلا کــلا والــقـمـر (کچھ نہیں، چاند کی قسم) اور ان دونوں کی تکرار بھی یکساں نوعیت وحالت رکھتی ہے۔ مثلاً کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ، ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔

یہ اسلوب کلام عموماً اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب کسی سابق خیال کی شدت کے ساتھ تردید کرنی ہو، کیونکہ ''لا'' کا مقدم ہونا اس امر پر کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ کلام اس بات کی تردید کر رہا ہے جو پہلے کہی گئی ہے، نیز یہ کہ اس بات کی کراہت اور لغویت اس درجہ واضح ہے کہ اس کی تردید میں ایک لمحہ کے توقف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نتیجہ یوں نکلتا ہے کہ قسم کے باب میں عام عادت یہ ہے کہ وہ ابتدائے کلام میں آئے۔ پس جب انکار کا لفظ اس پر بھی مقدم ہو تو اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ مقصود انکار میں غایت درجہ اہتمام ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ اور بھی ملحوظ رہے کہ قسم بالعموم اثبات کی تاکید کے لیے آتی ہے۔ پس جب کبھی ایسا ہو کہ وہ انکار کی تاکید کے لیے آئے تو بلیغ اسلوب کلام یہی ہوگا کہ نفی کلام پر مقدم ہو۔ چنانچہ دیکھو بولتے ہیں ''لا، واللہ'' (نہیں، خدا کی قسم نہیں) ''واللہ، لا'' نہیں کہتے، اگر یوں بولیں تو تاکید انکار کا سارا زور ہی ختم ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی آیت ذیل اسی اسلوب پر وارد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ۔ (النساء:٦٥)

(پس نہیں، تیرے پروردگار کی قسم وہ سچے مومن نہ ہوں گے تا آنکہ وہ تجھ کو آپس کے اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔)

یہی اسلوب نابغہ ذبیانی نے استعمال کیا ہے:

فلا لعمر الذی مسحت کعبته وما هريق علی الانصاب من جسد

(پس نہیں، اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور ان خونوں کی قسم جو تھانوں پر بہائے گئے۔)

والمومن العائذات الطير تمسحها رکبان مکة بين الغيل والسعد

(اور اس ذات کی قسم جس نے پرندوں کو پناہ دی، مکہ جانے والے قافلے غیل وسعد کے درمیان ان پر گزرتے ہیں اور کوئی ان کو چھیڑتا نہیں۔)

ما قلت من سئی مما أتيت به اذا فلا رفعت سوطی الی يدی

(کہ جو بری باتیں تجھ کو پہنچائی گئی ہیں میں نے ان میں سے ایک بھی نہیں کہی، اگر کہی ہو تو میرا ہاتھ مجھے کوڑا اٹھا کر نہ دے۔)

پھر وہی کہتا ہے:

فلا عمر الذی اثنی عليه وما رفع الحجيج الی الال

(پس نہیں، اس ذات کی قسم جس کی میں ثنا کرتا ہوں اور ان صداؤں کی قسم جن کو بلند کرتے ہوئے حجاج جبل الال کی طرف بڑھتے ہیں۔)

لما اغفلت شکرك فانتصحنی وكيف ومن عطائك جل مالی

(میں نے تمہاری سپاس گزاری کے فرض کو کبھی نظرانداز نہیں کیا پس مجھے اپنا خیر سگال سمجھو۔ اور یہ کیسے ممکن تھا جبکہ میرے پاس جو کچھ مال ومتاع ہے بیشتر تمہارے جود وکرم کا صدقہ ہے۔)

فلا وابيك ابنة العامر ی لا يدعی القوم انی افر

(پس نہیں، تیرے باپ کی قسم، اے عامری کی بیٹی! بنوتمیم یہ دعوی نہیں کر سکتے کہ میں میدان جنگ چھوڑ کے بھاگ جاتا ہوں۔)'' (نظام القرآن، ص:۲۴۳۔۲۴۵)

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید اور کلام عرب کے جو شواہد یہاں ہم نے نقل کیے ہیں، ان میں قسم محض انکار کے لیے ہے اس وجہ سے جس بات کا انکار مقصود ہے اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب

قسم ایک ہی ساتھ انکار اور اثبات دونوں پر مشتمل ہوتو وہاں اس کے بعد کوئی ایسی بات آتی ہے جو کلام کے اس دوطرفہ تقاضے کو پورا کر سکے۔ قرآن مجید نے ایسے مواقع پر دوصورتیں اختیار کی ہیں۔ یا تو جواب میں اثبات و انکار دونوں پہلو جمع کر دیے ہیں۔ مثلاً قسم کھائی فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ۔ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ (پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے) پھر جواب میں فرمایا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ۔ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ (الحاقہ: ۴۰-۴۳)

(بیشک یہ ایک باعزت رسول کا قول ہے (یہ اثبات کا پہلو ہوا) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم کمتر ایمان لانے والے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، تم کمتر یاددہانی حاصل کرتے ہو (یہ انکار کا پہلو ہوا) پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔)

دیکھو یہاں جس طرح انکار مکرر ہے اسی طرح اثبات بھی مکرر ہے۔ یا دونوں کو حذف کر دیا ہے اور سلسلہ کلام کی کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو مقسم علیہ کو نمایاں کر رہی ہے یا موقع کلام اس قدر واضح اور غیر مشتبہ ہے کہ مقسم علیہ آپ سے آپ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ مثلاً:

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ۔ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ۔ (ص:۱-۲)

(ص، شاہد ہے یاددہانی بخشنے والا قرآن، بلکہ کافر گھمنڈ اور جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں۔)

یہاں مقسم علیہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن کلام کا اسلوب ایسا ہے کہ صاحب نظر پہلی ہی نظر میں اس کو پہچان لیتا ہے۔

اسی اصول پر سورہ قیامہ کی آیت زیر بحث میں بھی مقسم علیہ کی پوری تصریح نہیں فرمائی ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں:

(الف) بعد کی آیت اس کو خود بخود واضح کر رہی ہے۔

(ب) یہاں مقسم بہ سے مقسم علیہ خود سمجھ میں آجاتا ہے۔

(ج) زجر و توبیخ کا اسلوب بھی، جیسا کہ ہم چوتھی فصل میں بیان کر چکے ہیں، اصل معاملہ کو بے نقاب کر رہا ہے۔

(د) سابق سورہ بھی، جیسا کہ ہم نے فصل اول میں بیان کیا ہے، مقسم علیہ کی طرف اشارہ کررہی ہے۔'' (نظام القرآن، ص: ۲۴۵۔۲۴۶)

چوتھی مثال:

سورہ والتین کی آیت ۵ ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اسفل سافلین کی ترکیب کے سلسلہ میں اشکال پایا جاتا ہے، عام طور پر مفسرین نے اسے مضاف مضاف الیہ کہا ہے۔ امام فراہی یہاں بھی شاندار گفتگو کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

اسفل یا تو رددناہ کی ضمیر مفعول سے حال پڑا ہوا ہے یا ظرف ہے۔ ظرف ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے ان کو دوبارہ پست ترین مقام میں لوٹا دیا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُم۔

لیکن دونوں تاویلوں میں معنی کے لحاظ سے کچھ فرق نہ ہوگا۔

آگے اسفل سافلین کی ترکیب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

اب رہا جملہ کی ترکیب کا سوال تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مضاف مضاف الیہ کی ترکیب ہے لیکن یہ بات عربیت کے خلاف ہے۔ افعل کی اضافت جب نکرہ کی طرف ہو تو ضروری ہے کہ مضاف الیہ واحد ہو۔ ولا تکونوا اوّل کافر بہ۔ اس لیے ظاہر ہے کہ سافلین بھی ایک مستقل حال ہے خواہ اسفل ظرف ہو یا حال۔ اسی وجہ سے یہ جمع ہونے کے باوجود نکرہ آیا۔ آیت کی تاویل کے لحاظ سے بھی یہی ترکیب زیادہ لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حال ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ انسان نے یہ پستی خود اختیار کی۔ گویا اللہ تعالی نے یوں فرمایا کہ ہم نے انسان کو پست ترین مقام میں لوٹا دیا اور حال یہ تھا کہ وہ خود پستی میں گرنا چاہتا تھا۔ (نظام القرآن، ص: ۳۰۸)

آگے اس سلسلے میں وارد ایک اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب پوچھو گے کہ رددناہ میں ضمیر تو واحد ہے، پھر حال کو جمع کیوں لائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں انسان سے مراد نوع انسان ہے۔ اس وجہ سے معنی کا لحاظ کر کے حال کو جمع

لائے۔قرآن مجید میں اس کے نظائر بہت ہیں۔مثلاً ایک جگہ سلسلہ کلام یوں ہے: فلینظر الانسان الی طعامہ (عبس:۲۴)(انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے پر غور کرے۔) پھر اسی سے متصل فرمایا:متاعا لکم و لانعامکم۔ (عبس:۳۲)(تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے برتنے کے لیے۔) یہ لکم اور انعامِکُم میں جمع کی ضمیریں انسان ہی کی طرف لوٹتی ہیں،لیکن ان کا لحاظ نہیں بلکہ معنی کا لحاظ ہے۔

آگے استدلال کو مزید مضبوط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَفَلَا يَعۡلَمُ إِذَا بُعۡثِرَ مَا فِي الۡقُبُورِ۔ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۔ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۔(العادیات:۹۔۱۱)

(تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبریں اگلوائی جائیں گی اور دلوں کی باتیں نکلوائی جائیں گی کہ اس دن ان کا خداوندان سے باخبر ہوگا۔)

اس آیت میں یَعۡلَمُ واحد کا صیغہ ہے اس کی ضمیر بھی انسان ہی کی طرف لوٹتی ہے اور رَبَّھُم اور بِھِمۡ میں جمع کی ضمیروں کا مرجع بھی انسان ہی ہے۔ایک جگہ لفظ کے اعتبار سے واحد کا صیغہ استعمال ہوا، دوسری جگہ معنی کی رعایت سے جمع کی ضمیریں آگئیں۔(نظام القرآن، ص:۳۰۸)

امام فراہی علیہ الرحمہ کی تحریروں کی ایک خاص خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ غور وفکر اور تدبر کا ایک زبردست منہج دیتی ہیں، اور اس منہج کی خاص بات یہ ہے کہ اس سے مانوس ہونے اور اس کے مطابق تحقیقی سفر کا آغاز کرنے کے بعد قرآن مجید اور اس کی مشکل آیات اور مشکل مباحث پر غور وفکر کرنا اور ایک منطقی نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔اعراب القرآن سے متعلق امام فراہی کے افادات اور قیمتی مباحث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ احساس قوی تر ہوجاتا ہے۔

قدیم فرزندان جامعہ کے نام

ذیل میں سابق صدر جامعۃ الفلاح ماہر قرآنیات **مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی** حفظہ اللہ ورعاہ کا وہ یادگار خط شامل اشاعت کیا جارہا ہے، جو موصوف نے فلاح کے پچاس سالہ جشن 'گولڈن جوبلی' کے موقع پر فلاحی برادران کے نام لکھا تھا۔ توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ (**مدیر**)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے عزیزو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت زمانہ ہوگیا تم سے بچھڑے ہوئے، سالہا سال ہوگئے تمہیں دیکھے ہوئے، عالم تصور میں کچھ پرانی تصویریں سامنے آتی رہتی ہیں، مگر ظاہر ہے ان جھلکتی تصویروں سے تو دل کی تسلی نہیں ہوتی۔

تم میں سے کچھ لوگوں کی تو خبریں گاہے بگاہے ملتی رہتی ہیں، مگر تم میں سے اکثر لوگوں کی مجھے کچھ خبر نہیں، کہ تم کہاں ہو؟ کس حال میں ہو؟ اور کیا کررہے ہو؟

شاید تمہارا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوگا، تمہیں بھی کچھ خبر نہیں ہوگی، کہ تمہارا یہ چاہنے والا کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ اور موقع بموقع تمہیں کس قدر یاد کرتا ہے!

میرے عزیزو! اللہ کا شکر ہے، تمہارا یہ چاہنے والا صحت وعافیت کے ساتھ ہے، حسب سابق تعلیم وتدریس اور دعوت وتربیت کے کام سے وابستہ ہے، دل میں یہ حسرت ہے کہ مرنے سے پہلے کچھ نئے چراغ روشن ہوجائیں۔

وہ ہمیشہ تمہارے بارے میں اچھی خبریں سننے کا آرزومند رہتا ہے۔ تم نے جامعۃ الفلاح سے

فارغ ہوتے ہوئے آیندہ کے لیے جن بلند اور پاکیزہ عزائم کا اظہار کیا تھا، وہ عزائم ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہے ہیں!

میرے عزیزو! جامعۃ الفلاح کے طویل دوران قیام میں تم سے بڑی گفتگوئیں ہوتی رہی ہیں، مگر آج جبکہ میری زندگی کا آفتاب ڈھل چکا ہے، اور وہ کسی وقت بھی غروب ہوجانے کا احساس دلاتا رہتا ہے، آج بے طرح تمہاری یاد آرہی ہے، اور تم سے بہت کچھ کہنے کو دل چاہ رہا ہے۔

میرے عزیزو! تم کہاں ہو؟ کیا کررہے ہو؟ تمہارے ان بلند عزائم کا کیا حال ہے؟ ان بلند اور پاکیزہ عزائم کا، جو کبھی تمہارے سینوں میں موج زن تھے، کیا آج بھی وہ اسی طرح موج زن ہیں؟

کتاب الٰہی سے تمہاری وابستگی کا کیا حال ہے؟ کیا اس سے وہ وابستگی اور وہ دلچسپی برقرار ہے، جو کسی زمانے میں تمہارے اساتذہ نے تمہارے اندر پیدا کی تھی؟

اقامت دین کی جدوجہد کا کیا حال ہے؟ اسلام کی دعوت واشاعت کے تعلق سے تمہاری جو ذمہ داریاں ہیں، کیا ان ذمہ داریوں کا تمہیں احساس ہے؟ اور کیا انہیں ادا کرنے کی طرف کچھ پیش رفت ہورہی ہے؟

یہ سوالات کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی، کہ مدتوں سے میں تمہیں ڈھونڈ تا ہوں، جہاں جہاں تمہیں ہونا چاہیے تھا، وہاں وہاں تلاش کرتا ہوں، مگر کہیں تمہارا سراغ نہیں لگتا۔ کہیں کہیں کچھ چہرے نظر آجاتے ہیں، مگر ان چند چہروں سے کیا بات بنے ہے؟

ایک زمانہ تھا کہ کلاسوں میں ہم اپنے نوجوانوں کو شمار کیا کرتے تھے، اور سوچتے تھے، کہ ہمارے پاس اتنے ہزار ہونہار اور حوصلہ مند نوجوان ہیں، یہ سب نوجوان یہاں سے چاند تارے بن کر نکلیں گے، اور ملک کے گوشے گوشے کو اسلام کی کرنوں سے روشن کردیں گے!

میرے عزیزو! اپنے بڑوں کی توقعات کو نظر انداز نہ کرو، تمہارے بارے میں جو اونچے اونچے خواب دیکھے گئے تھے، ان خوابوں کی عملی تعبیر بن کر سامنے آؤ۔

اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ تم اس مادر علمی کے فرزند ہو :

جس نے تمہیں تیار کیا تھا اقامت دین کے بلند نصب العین کے لیے۔

تمہیں تیار کیا تھا کتاب الٰہی کے پیغام کو عام کرنے کے لیے۔

تمہیں تیار کیا تھا ایک ایک بستی میں اسلام کی شمعیں روشن کرنے کے لیے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولو، کہ اس دنیا میں اس سے زیادہ بلند اور پاکیزہ نصب العین کوئی نہیں۔

اسی نصب العین کو اختیار کر کے تم دنیا و آخرت کی سرخ روئی حاصل کر سکتے ہو۔
اسی نصب العین کو اختیار کر کے تم انسانی عظمتوں کے فلک بوس مینار بن سکتے ہو۔
اسی نصب العین کو اختیار کر کے تم اپنے رب کی چاہتوں کے تخت و تاج حاصل کر سکتے ہو۔
اسی نصب العین کو اختیار کر کے تم اس دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہو، جس کا تم خواب دیکھتے ہو۔
اسی نصب العین کو اختیار کر کے ہمارے بزرگ اسلاف نے وہ وہ بلندیاں حاصل کی تھیں، کہ زمانہ آج تک محو حیرت ہے! اور کہنے والے کو یہ کہنا پڑا، ع

ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے!

اور اس نصب العین سے غفلت کا ہی یہ خمیازہ ہے کہ ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا!
اس نصب العین سے غفلت کا ہی یہ نتیجہ ہے، کہ جو کبھی بادشاہوں کے تاجوں سے کھیلا کرتے تھے، اور بادشاہ ان کے نام سے لرزتے تھے، آج وہ بادشاہوں کی جوتیاں سیدھی کر رہے ہیں، اور ان سے رحم وکرم کی بھیک مانگتے ہیں!

میرے عزیزو! اس میں شبہہ نہیں کہ انسان اس زمین پر رہتے ہوئے انسانی ضرورتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، یقیناً ایک انسان کو اپنا تن ڈھانپنے کے لیے لباس چاہیے، اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے سامان خورد و نوش چاہیے، اپنا سر چھپانے کے لیے چھت چاہیے، اپنی بہت سی ضروریات پوری کرنے کے لیے مال چاہیے، بہت سے دوسرے حق داروں کے حقوق ادا کرنے کے لیے سرمایہ چاہیے، یہ سب صحیح ہے، ان میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ انسان انہی چیزوں کو اپنا نصب العین بنا لے، اور آخرت کی زندگی سے غافل ہو جائے، وہ دنیا کی تمام ضرورتوں کے لیے فکر مند رہے، مگر حساب آخرت اور عذاب آخرت کا اسے بھول کر خیال نہ آئے۔

وہ حصول دنیا میں اس طرح منہمک ہو جائے، کہ اسے اس کا بھی خیال نہ رہے، کہ جو راستہ اس نے اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے، یا غلط، اس کے رب کو وہ راستہ پسند ہے یا ناپسند۔

وہ رات و دن دنیوی ترقی کے منصوبے بناتا رہے، اور سوتے جاگتے اسی کے خواب دیکھتا رہے، مگر اپنے دین پر عمل کرنے، اور اس کے غلبہ و ترقی کے لیے کچھ کرنے کا اس کے اندر کوئی حوصلہ اور کوئی امنگ نہ ہو!

وہ اپنی ساری توانائیاں اور قیمتی صلاحیتیں حصول دولت اور حصول جاہ ومنصب میں لگادے، اللہ کے دین کا اس کی توانائیوں اور اس کی صلاحیتوں میں کوئی حصہ نہ لگے!

اگر کسی مسلمان کی یہ حالت ہے، تو یہ حالت انتہائی افسوس ناک ہے، اور اگر کسی عالم دین کی یہ حالت ہے، تو یہ حالت نہ صرف افسوس ناک ہے، بلکہ انتہائی شرم ناک ہے۔

میرے عزیزو! تم اس حیثیت سے اپنا شدت سے احتساب کرو، کہ جامعۃ الفلاح میں تم نے جو کچھ سیکھا اور پڑھا تھا، اس کا تم نے کہاں تک حق ادا کیا؟ تم اس علم کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہو، اور جہاں رہتے ہو، اس کی شمعیں روشن کیے ہوئے ہو؟ یا اس علم کے دیے بجھا کر تاریکیوں میں مگن ہو، اور بے مقصد اور بے فیض زندگی بسر کر رہے ہو؟

میرے عزیزو! بڑی سے بڑی دنیوی ترقی بھی اس زندگی کی قیمت نہیں بن سکتی۔ وہ کبھی اس لائق نہیں ہوسکتی کہ ایک مسلم اس کے لیے اپنی قیمتی زندگی، اور زندگی کی بہترین توانائیاں قربان کردے۔ دنیا کی کوئی ترقی کبھی انسان کی کامیابی یا ناکامی کا پیمانہ نہیں بن سکتی۔

کتنا ہی ایسا ہوتا ہے کہ انسان دولت کے خزانے، حکومتوں اور کونسلوں کے اونچے اونچے عہدے، حتی کہ ملک کا تخت وتاج حاصل کرلیتا ہے، مگر وہ اپنے انجام کے لحاظ سے ایک ناکام اور بدبخت انسان ہوتا ہے۔

اور کتنا ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کسی عظیم مقصد کے لیے کوشاں ہوتا ہے، وہ اس راہ میں کچھ پانے کے بجائے کھوتا ہے، مسلسل کھوتا ہے، کبھی اس کا گھر بار بھی لٹ جاتا ہے، بسا اوقات اس راہ میں اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے، مگر اس سب کے باوجود انجام کے لحاظ سے وہ ایک کامیاب اور خوش نصیب انسان ہوتا ہے۔

وہ مر مٹ کر زمانے کی نظروں سے تو اوجھل ہوجاتا ہے، مگر لاتعداد انسانوں کا آئیڈیل، اور بے شمار دلوں کی دھڑکن بن جاتا ہے، لوگ اسے برابر یاد کرتے، اور عقیدت ومحبت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ ع

دارا وسکندر سے وہ مرد فقیر اولی
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللہی

ہمیں اس کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں، نہ اس کی مثالیں ڈھونڈنے کے لیے کہیں دور جانے

کی ضرورت ہے، آج کے تازہ ترین حالات خود پکار پکار کر اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں۔

کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے، ع

برتر از اندیشہ سود وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

میرے عزیزو! اس دنیا کو ہمیشہ آخرت کی کھیتی سمجھو، دنیا کی ہر عزت اور ہر دولت اسی وقت تک نعمت ہوتی ہے، جب تک وہ رضائے الٰہی اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہو، اور اگر کبھی تم یہ محسوس کرو کہ کوئی عزت یا دولت، یا تمہاری کوئی عادت یا چاہت تمہیں اپنے رب سے غافل کر رہی ہے، تو فوراً سمجھ جاؤ کہ تم آزمائش میں پڑ گئے ہو، اور جس قدر جلد ممکن ہو، اس آزمائش سے نکلنے کی کوشش کرو۔

میرے عزیزو! تم کبھی اپنی اس حیثیت کو فراموش نہ کرو کہ تم کتاب وسنت کے عالم، اور اپنے بزرگ اسلاف کے جانشین ہو، تمہارا کام سونا نہیں، سونے والوں کو جگانا ہے، تمہارا کام بھٹکنا نہیں، بھٹکتے ہوؤں کو راستہ دکھانا ہے، تمہارا کام ظلمت کا تعاقب کرنا، اور مہ وانجم کی طرح روشنی بکھیرنا ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ تم اللہ کی کتاب سے اپنا رشتہ مضبوط کرو، راتوں میں، یا صبح کو پابندی سے اس کی تلاوت کرو، اس پر غور وفکر کرو، اس کا پیغام سمجھنے اور اس سے اثر پذیر ہونے کی کوشش کرو، اس پر عمل کرنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی سنوارنے کی سعی کرو۔

بہتر ہے کہ اپنے اپنے مقامات پر مطالعہ قرآن کے حلقے بھی قائم کرو، اور ایک ساتھ بیٹھ کر قرآن پاک کا اجتماعی مطالعہ کرو، اس سے تمہیں مزید حوصلہ ملے گا، اور دوسروں کے اندر مطالعہ قرآن کا ذوق پیدا ہوگا۔

نمازوں کا اہتمام کرو، ہر نماز پابندی سے مسجد میں ادا کرو، جس قدر ممکن ہو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرو، اس طرح ادا کرو کہ تمہیں اس میں لذت ملنے لگے، اور تمہاری پوری نماز رب سے مناجات اور ملاقات بن جائے۔

کبھی نماز کے معاملے میں سستی اور کاہلی کو راہ نہ دو، اذان سنتے ہی نماز کی تیاری شروع کر دو، اور سارے کام کاج چھوڑ کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ، پیارے نبی ﷺ کا طریقہ یہی تھا۔

قرآن پاک سے تعلق اور نمازوں کا اہتمام، یہ دونوں چیزیں تمہارے اندر ایمانی حرارت پیدا کریں گی، تمہیں ایک خدا ترس عالم کی حیثیت سے اپنے فرائض کا احساس دلائیں گی، اپنی کمزوریوں پر قابو پانے، اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرنے کا حوصلہ عطا کریں گی۔ اور تمہیں ان بلند مقاصد کے

لیے سرگرم کردیں گی، جن بلند مقاصد کے لیے جامعۃ الفلاح کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔

میرے عزیزو! جامعۃ الفلاح، جسے تم اپنی مادر علمی کہتے ہو، وہ بڑی نیک تمناؤں کے ساتھ قائم کیا گیا تھا، وہ نہایت اعلی مقاصد کے لیے معرض وجود میں آیا تھا، وہ ہندوستان کے روایتی تعلیمی اداروں میں ایک روایتی تعلیمی ادارے کا اضافہ نہیں تھا۔

اس کے برعکس یہ ایک زبردست علمی تحریک تھی، بالکل ہی ایک نئی تحریک، ایک انقلابی تحریک، جس کا مقصد تھا نہایت قد آور، بلند ہمت اور شاہین صفت نوجوانوں کی ٹیمیں تیار کرنا، جو ملت اسلامیہ کے اندر زندگی کی روح پھونک دیں، اور ہندوستان کے اندر ایک صالح انقلاب کی راہ ہموار کریں۔

اسی لیے اس کا نظام تعلیم ہندوستان کی تمام درس گاہوں سے جدا تھا، اس نظام تعلیم میں کتاب الٰہی کو مرکزی حیثیت دی گئی تھی، اس نظام میں اسے وہی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی تھی، جو آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی درس گاہ نبوت میں اسے حاصل تھی۔ مختصر طور پر اس نظام تعلیم کے خدوخال کچھ اس طرح سے تھے:

فہم قرآن کے ٹھوس اصولوں کی روشنی میں براہ راست قرآن پاک کا گہرا تحقیقی مطالعہ۔

قرآن پاک کی روشنی میں سیرت پاک کا مطالعہ۔

قرآن پاک کی روشنی میں کتب احادیث کا مطالعہ۔

قرآن پاک کی روشنی میں تمام مذاہب فقہ کا مطالعہ۔

قرآن پاک کی روشنی میں تاریخ اسلام، اور تاریخ عالم کا مطالعہ۔

قرآن پاک کی روشنی میں تمام دوسرے علوم کا مطالعہ اور جائزہ۔

یہ تھا جامعۃ الفلاح کا نظام تعلیم، زبردست تعمیری اور انقلابی نظام تعلیم!

اس نظام تعلیم کی ایک خصوصیت اور تھی، وہ یہ کہ اس نظام میں اخلاقی تربیت کی بھی اتنی ہی اہمیت تھی، جتنی تعلیم کی، اس لیے کہ اس تعلیم کی دین میں کوئی اہمیت نہیں، جس کے ساتھ کردار سازی نہ ہو۔ کردار سازی کا عمل جب موقوف ہو جاتا ہے، تو یہ دانش گاہیں علماء اور دانشوروں کے بجائے پڑھے لکھے جاہل تیار کرنے لگتی ہیں، آج ہمارے تعلیمی اداروں کی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔ ع

بے نور خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

اگر جامعۃ الفلاح اس نظام تعلیم وتربیت کو لے کر اپنا سفر جاری رکھتا، تو یہ اس کا کتنا زبردست کارنامہ ہوتا، اوراس سے امت کو جوفیض پہنچتا، وہ ہر اندازے سے بڑھ کر ہوتا، وہ کسی ترازو سے تولا نہ جاسکتا۔

مگر یہ ایک سانحہ ہے کہ زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پایا کہ ٹرین نے اپنی پٹری بدل لی، اور لوگوں کو اب شاید یاد بھی نہیں رہا، کہ جامعۃ الفلاح کیا تھا؟ کس لیے قائم ہوا تھا؟ اور دیگر تعلیمی اداروں کے مقابلے میں اس کا امتیاز کیا تھا؟ ع

چھوٹے ہوئے اس باغ کو گزرا ہے زمانہ
تازہ ہے مگر اس کی محبت کا فسانا

میرے عزیزو! اس موقع پر جب کہ تم جامعۃ الفلاح کی گولڈن جوبلی منانے جارہے ہو، میری دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تعالی تمہارے تمام پروگراموں کو کامیاب بنائے۔

مگر ضروری ہے کہ اس موقع پر جامعہ کی تاریخ اوراس کے مقصد قیام کی یاد دہانی ہو، اوراس کی پچھلی روایات اور دیرینہ خصوصیات کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے سنجیدہ منصوبہ بندی ہو، تاکہ پھر سے پوری جرأت اور سچائی کے ساتھ تم کہہ سکو۔ ع

ہے ہمالہ سے بھی اونچا مرا مینار فلاح!

آج جامعۃ الفلاح کا مینار کسی ٹیلے سے بھی چھوٹا ہوکر رہ گیا ہے، ضرورت ہے کہ اسے پھر سے اونچا کیا جائے، اور کوہ ہمالہ کی بلندیوں کو اس سے ناپا جائے۔

اللہ تعالی تمہارا حامی وناصر ہو، اوراس کی تائید وتوفیق ہمیشہ تمہارے شامل حال ہو۔ شکریہ، وما علینا الا البلاغ!

تمہارا خیراندیش
محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

۱۰ رمئی ۲۰۱۲ء

نعت رسول ﷺ

محمد مصطفیٰ سا کوئی کامل ہو نہیں سکتا
جو اُن کا ہوگیا وہ حق سے غافل ہو نہیں سکتا
نبی کا فیض جس کو مل گیا وہ ہوگیا روشن
جہاں میں کوئی بھی اس کا مقابل ہو نہیں سکتا
ہمیں تاریخ میں صدیق جیسا باوفا کوئی
عمر فاروق جیسا کوئی عادل ہو نہیں سکتا
نہیں جود وسخا میں کوئی بھی عثمان کا ثانی
علی مرتضیٰ سا کوئی عاقل ہو نہیں سکتا
ہے کتنی شان عالی جاں نثاران پیمبر کی
کسی کو اتنا اونچا رتبہ حاصل ہو نہیں سکتا
نبی کے نام لیواؤ نبی سے دور ہو کتنے
خدا کا وعدہ ہرگز تم کو شامل ہو نہیں سکتا
نبی سے دعوئے الفت بھی ہے باطل سے قربت بھی
نبی کا شیفتہ شیدائے باطل ہو نہیں سکتا
فلاح آخرت ایمان کامل ہی میں ہے عارف
''بجز حب نبی ایمان کامل ہو نہیں سکتا''

احسان الحق عارفؔ آئمی

نعت پاک

مشرکین مکہ وطائف کے پتھر کا جواب
لب پہ رحمت کی دعا ہے ہر ستمگر کا جواب
آفتاب وماہ وانجم ماند سارے پڑ گئے
دے نہ پایا کوئی بھی حسن پیمبر کا جواب
قیصریت آپ کی سادہ مزاجی پر نثار
آپ کی ٹوٹی چٹائی تخت قیصر کا جواب
جو اَزل سے تا اَبد ہے، اُس کا یہ فرمان ہے
دونوں عالم میں نہیں ہے اس پیمبر کا جواب
جس کو دیکھا، اک نظر میں کرلیا اس کو اسیر
آپ کی چشم کرم، تیغ سکندر کا جواب
حق توصیف نبیؐ انسان سے ممکن نہیں
کوئی دے پایا ہے کیا امکاں سے باہر کا جواب
عشق کے دعووں سے خالی، کام کب چل پائیگا
حشر میں دینا پڑے گا زندگی بھر کا جواب
بس یہی ہے رحمۃ للعالمینی کا ثبوت
عمر بھر دیتے رہے وہ خیر سے شر کا جواب
یہ نظارہ دیکھ کر حیرت میں ہے چشم فلک
دو دو پتھر ہیں شکم پر ایک پتھر کا جواب
راشدؔ اس دنیا میں ہیں کچھ اور بھی شمسی نظام
جا کہیں سے ڈھونڈ کر لا ایسے خاور کا جواب

سید راشد حامدی، نئی دہلی

غزل

رات کا تاریک جنگل اور یہ آوارگی
راستے آنکھوں سے اوجھل اور یہ آوارگی
جانے کس انجام تک پہنچے مسافت کی تھکن
نیند ہر پل، جسم بوجھل اور یہ آوارگی
سرد موسم، تیز بارش، اور لمبی رات ہے
راہ دلدل، گاؤں جل تھل اور یہ آوارگی
دیر تک رہنا ہے تنہا،شہر کی سڑکوں میں گم
وقت بے کل،میں ہوں پیدل اور یہ آوارگی
پیاس کا بے انت موسم روح تک اترا ہوا
ریت، صحرا، خشک چھاگل اور یہ آوارگی
روشنی پی کر ستارے اک مسلسل رقص میں
میں ہوں اور اک خالی بوتل اور یہ آوارگی
ساتھ میرے چل رہی ہیں اجنبی پرچھائیاں
ہر طرف بے نام ہلچل اور یہ آوارگی
رات دن کے سلسلوں سے ماورا آوارگاں
تم بھی پاگل، میں بھی پاگل اور یہ آوارگی

عزیز نبیلؔ،قطر

تعارف وتبصرہ

بھیروں کبھی نہیں مرا

ناول نگار: ڈاکٹر گنگا رام راجی

مترجم: عبدالباری ایم کے

صفحات: 317

قیمت: 290 روپے

اشاعت: 2016

ناشر: نیوز ٹاؤن پبلشرز، روم نمبر 44 عبداللہ مینشن ہریانہ والا لین، کرلا ممبئی 400070

تبصرہ: سعید اختر اعظمی

'مردوں کی ذات میں ہمیشہ بھیروں رہا ہے۔ جہاں اس نے خوبصورت اور حسین لڑکی یا عورت دیکھی وہیں اس کی جنسی خواہش جاگ گئی۔ عورت نے مردوں کو پیدا کیا ہے، وہی اس کو راستے پہ لاسکتی ہے، مگر وہ تو ہمیشہ اس کو معاف کرتی آئی ہے۔ مرد یہ بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت اسے معاف کر ہی دے گی'۔

ساوتری کا یہ خیال عمومی مردانہ ونسوانی فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ عورت اسی سماج کا حصہ ہے جس پر مردوں کا تسلط ہے۔ بھنورے اور تتلی متضاد صفات کے حامل ہیں جن میں ایک شقاوت کا نمونہ ہے تو دوسرا نرمی وملائمت اور نزاکت کا۔ اس حوالے کو 'بھیروں کبھی نہیں مرا' میں ایک اور جگہ مستحکم کیا گیا ہے۔ 'مرد عورت کو ہمیشہ ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ ہزار میں ایک ہی مرد ہوتا ہے جس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا۔ پیار میں عورت دھوکہ کھا جاتی ہے۔ مرد کبھی پیار نہیں کرتا، وہ صرف پیار کا ڈرامہ کرتا ہے۔ مرد کے پیار کے پیچھے ایک ہی مقصد چھپا رہتا ہے۔ اس نے عورت کو ایک بار استعمال کر لیا تو اس کا پیار بھی مکمل ہو گیا'۔ یہ اس افسوس ناک امر کو بھی ظاہر کرتا ہے جب عورت ظلم وجبر کو خاموشی سے اپنی تقدیر کی

انمٹ تحریر مان لیتی ہے اور تمام عمر اپنے خمیدہ وجود کو خطِ مستقیم بنانے کی جانب توجہ نہیں دیتی۔ اگر وہ اپنی اَنا کو قائم و دائم رکھے اور شخصیت کی بقا کے لیے کوشاں رہے تو ستم کے انگاروں پہ چلنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ساوتری خود کو وقت اور حالات کے سامنے جھکا دیتی ہے اور بھیروکی ہو جاتی ہے۔ یوں اس کی ذات کا تاج محل ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے۔

ہندی کے معروف ادیب ڈاکٹر گنگا رام راجی کا 'بھیروں کبھی نہیں مرا' 'من منتھن' اور' گیتا بول رہی ہوں' کی درمیانی کڑی ہے۔ جزئیات نگاری اور ترجمانی جذبات میں انھوں نے اپنا لوہا منوایا ہے۔ اکتوبر 2014 میں جن وادی لیکھک سنگھ کے دوروزہ قومی اجلاس (الہ آباد) میں اشتیاق سعید اور عبدالباری ایم کے سے ان کی مختصر ملاقات رہی۔ راجی نے دونوں حضرات کو ہماچل پردیش کے سندر نگر میں مدعو کیا جہاں انھیں یہ ناول بطور تحفہ ملا۔ آزادی ہند تا حال خواتین کے ساتھ ہونے والا جنسی استحصال اس کا موضوع ہے۔ راجی کا ماننا ہے کہ خیر کے ساتھ شر بھی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اسے ختم نہیں کیا جا سکتا البتہ قابو ضرور پایا جا سکتا ہے۔

'بھیروں کبھی نہیں مرا' دو مرکزی کرداروں ساوتری اور ڈاکٹر کانڈا کے اردگرد گھومتا ہے۔ ساوتری کا حسن بے پایاں اس کے لیے عذاب بن گیا۔ کامیاب مسیحا کے طور پر معروف ڈاکٹر کانڈا آوارہ بھنوا بن کر کتنی ہی تتلیوں کے پر نوچ چکے تھے۔ ساوتری بھی ان کے دام فریب میں آ گئی۔ گھنشیام کی بولتی نگاہیں بھی ساوتری تک اپنا پیام محبت پہنچانے میں ناکام رہیں۔ کاغذ کی ناؤ دیر تک لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر کانڈا کو قدرت ایک مدت تک ڈھیل دیتی رہی۔ جب رسی کھنچ گئی تو وہ ہمیشہ کے لیے بستر کے ہو کر رہ گئے، پھر تمام عیاشی پل بھر میں ہوا ہو گئی۔ 'اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت' کے مصداق کف افسوس ملنے کا کوئی چارا بھی نہیں رہا۔

ایسے نازک حالات میں سماج کی نظر میں غیر قانونی شریک حیات ہونے کے باوجود ساوتری نے ڈاکٹر کانڈا کی خدمت مجازی خدا سمجھ کر کی۔ یہ عورت کے خمیر میں داخل ہے کہ وہ آخری سانسوں تک ایثار کا ثبوت دیتی رہتی ہے۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی فطرت اس کی شخصیت سے میل نہیں کھاتی۔ حالات کی چکی میں پستے ہوئے عورت کے پاس انتقام لینے کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں رہتا تو وہ اپنی اصلیت کو فراموش کر بیٹھتی ہے۔

راجی کا یہ ناول ہندی زبان میں ہے اور ہندو تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ راہی معصوم رضا کے ناول

'آدھا گاؤں' کی طرح ہندی کے بعض ناول شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اپنے عہد کی مکمل دستاویز ہوتے ہیں جن کے بغیر اُس عہد کی تفہیم و تعبیر نہیں کی جاسکتی ۔کیا راجی کا یہ ناول اُس میزان پہ کھرا اُترتا ہے؟ کیا مترجم نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے؟ کیا پبلشر نے اسے درست متن میں شائع کیا ہے؟ قاری کو دوران مطالعہ کوئی دقت تو نہیں پیش آتی ؟ ان سب سوالوں کا جواب اثبات کے بجائے نفی میں ہے۔ نیوز ٹاؤن کے پبلشر اشتیاق سعید اور مترجم عبدالباری ایم کے نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ کیوں کیا یہ فہم سے بالاتر ہے۔ کیا تحفہ میں دی گئی ہر کتاب کو دوسروں کو پڑھنے کا مشورہ دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو ترجمہ کے ذریعہ اسے قاری تک پہنچانے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

کہانیوں کے چلتے پھرتے کردار ذہن پہ دیرپا اثرات چھوڑتے ہیں۔ ہندو تہذیب کے فروغ، دیوی دیوتاؤں کی کرشمہ سازیوں اور استحصال کی شکار خاتون کی مجبوری کو شہ سرخی بنانے والا یہ ناول کیا کوئی مثبت پیغام دیتا ہے؟ دوران مطالعہ میرے ذہن میں ایسے ہی سوالات گردش کرتے رہے۔ ممکن ہے کوئی دوسرا ناقد اسے دوسری عینک سے دیکھے اور قاری کے حق میں مفید قرار دے کر اسے شاہکار کی صف میں لا کھڑا کر دے۔

آپ کے خطوط

محمد ثاقب فلاحی، متحدہ عرب امارات

حیات نو ماہ نومبر کا شمارہ ہاتھ میں ہے۔ گزشتہ شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی اپنے دامن میں بہت ہی قیمتی اور اہم مضامین سموئے ہوئے ہے۔ ’اردو تراجم قرآن پر ایک نظر‘ اب حیات نو کی پہچان بن چکا ہے، اللھم زد فزد۔ اس طرح کے سلسلہ مضامین جس رسالہ کو مل جائیں اس کے کیا کہنے۔ اردو تراجم قرآن کے بہت سے جائزے اور بہت سے مطالعے پیش کیے گئے، لیکن جس قدر آسان اور جس قدر علمی اور مدلل انداز سے یہ سلسلہ مضامین آرہا ہے، اس کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوجاتی ہے۔ محترم امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری صاحب اطال اللہ بقاءہ اور معروف مترجم ومفسر قرآن مولانا محمد فاروق خان صاحب نے اس خواہش کا اظہار بار بار کیا کہ اس کی جتنی قسطیں شائع ہوچکی ہیں، انہیں فوری طور پر کتابی شکل میں لے آنا چاہیے، اس سلسلہ مضامین سے یہ دونوں بزرگ بذات خود بھی استفادہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے مستفید ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ معروف اسلامی اسکالر اور مفسر قرآن جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی اس کا بہت شوق اور جستجو کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک فلاحی دوست کے توسط سے یہ اطلاع بھی ملی کہ دروس اللغۃ العربیۃ کے مصنف ’ف عبدالرحیم‘ صاحب بھی اس سلسلہ مضامین کی کافی تحسین فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب اور مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب کی ان کوششوں کو قبول فرمائے اور اسے ان کے لیے توشہ آخرت بنائے، آمین ثم آمین

اس شمارے کے دیگر اہم مضامین میں جناب ڈاکٹر احسان اللہ فہد فلاحی کا مضمون ’قرآن کریم میں صحابیات کے اوصاف‘ اور جناب مولانا عبدالبر فلاحی صاحب کا مضمون ’جابر اور متشدد حکمرانوں کا عروج اور اس کی قرآنی توجیہ‘ ہے۔ جناب ضمیر الحسن خاں فلاحی صاحب کا مضمون ’اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات‘ بھی اہم ہے، آئندہ قسطوں کا انتظار رہے گا۔ اس کے علاوہ سید راشد حامدی کا ادبی مطالعہ پر مبنی مضمون ’شہر حیرت کا شاہزادہ۔ عزیز نبیل‘ بھی شاندار مضمون ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلی، جامعۃ الفلاح

جامعہ میں پی اے انعام دار صاحب کی آمد

۳۱/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ جامعہ کی مرکزی لائبریری کے ہال میں جناب پی اے انعام دار صاحب کی آمد پر ایک پروگرام رکھا گیا۔ پروگرام کا آغاز محمد عمر اشرفی (عربی چہارم) کی تلاوت قرآن پاک مع انگلش ترجمہ سے ہوا۔

تعارفی کلمات جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مہمان پونے میں ایک ادارہ چلا رہے ہیں۔ جس میں بائیس ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پورا تعلیمی نظام کمپیوٹرائز ہے۔ سماجی خدمات میں بھی آپ حصہ لیتے رہتے ہیں۔

ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے استقبالیہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ کا مقصد ہے ایسے نوجوان کو تیار کرنا جو اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ جامعہ میں مسلکی عصبیت سے بالاتر ہوکر تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی طرح جامعہ میں طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کا بھی مکمل نظم ہے۔ گویا کہ جامعہ قدیم وجدید علوم کا سنگم ہے کیونکہ جامعہ میں ابتداء ہی سے انگریزی تعلیم کا نظم بھی ہے۔

خصوصی خطاب میں پی اے انعام دار صاحب نے فرمایا کہ جدید تعلیم کے آج بہت سارے فوائد ہیں، ہر چیز ٹکنالوجی سے جڑ گئی ہے۔ اس لیے ہمیں بھی ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جامعہ کی لائبریری میں ستر ہزار کتابیں ہیں اور ہمارے اس موبائل میں پانچ کروڑ کتابیں ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت جدید ٹکنالوجی کتنی اشد ضرورت ہے۔ مہمان نے خوشی کا اظہار کیا کہ یہاں طلبہ کے ساتھ طالبات کی تعلیم بھی جاری ہے اور اس کی بھی بہت اشد ضرورت ہے۔

اختتامی کلمات جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آج جس

دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں جدید ٹکنالوجی سے لیس ہونا اور سیکھنا ضروری ہوگیا ہے۔نظامت کے فرائض جناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

جامعہ میں ششماہی امتحان

اس سال جامعہ کے کلینڈر میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی۔ششماہی امتحان ۳۱؍اکتوبر کے بجائے ۳؍نومبر ۲۰۱۸ء کوشروع ہوئے۔اور ۱۶؍نومبر تک امتحان جاری رہے۔روزانہ ایک نشست میں امتحان ہوئے۔صرف دودن دو دو میٹنگوں میں امتحان ہوئے۔اسی طرح جامعہ کے تعلیمی کلینڈر میں ششماہی امتحان کے اختتام کے بعد ایک دن کی چھٹی تھی۔۱۷؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز شنبہ دوسری ششماہی کا آغاز ہوا۔

جامعہ کے الفلاح ہاسپٹل میں فری میڈیکل کیمپ کا انعقاد

۴؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ بوقت ۱۰ بجے صبح تا دو بجے دوپہر جامعہ کے الفلاح ہاسپٹل میں ای فری میڈیکل کیمپ کا انعقاد کیا گیا۔جس میں عام بیماریوں کے ساتھ ساتھ ہڈی، دانت، آنکھ اور بچوں کی بیماریوں کا مفت علاج کیا گیا۔۹۸۷ مریضوں نے اس کیمپ سے استفادہ کیا۔ چیک اپ کے ساتھ ساتھ مفت دوائیں بھی فراہم کی گئیں، کیمپ کا افتتاح محترم مولانا محمد طاہر مدنی صاحب ڈائریکٹر شعبہ دعوت وارشاد کے بدست ہوا۔

اس کیمپ میں متعدد ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں:

۱۔ڈاکٹر جاوید اختر (ماہر امراض ہڈی)

۲۔ڈاکٹر ضرار احمد (ماہر امراض اطفال)

۳۔ڈاکٹر محمد اظفر (ماہر امراض اطفال)

۴۔ڈاکٹر محمد شعیب (ماہر امراض چشم)

۵۔ڈاکٹر عفیفہ اعظمی (ماہر امراض نسواں)

۶۔ڈاکٹر این اے خاں (ماہر امراض جلد)

۷۔ڈاکٹر کمال الدین اطہر شیخ (ماہر امراض دانت)

۸۔ڈاکٹر جے پی پانڈے (ماہر امراض دانت)

۹۔ڈاکٹر سندیپ پانڈے (ماہر امراض دانت)

۱۰۔ڈاکٹر زبیر احمد (عام بیماریوں کے ماہر)
۱۱۔ڈاکٹر محمد اسرار علیگ (عام بیماریوں کے ماہر)
۱۲۔ڈاکٹر محمد عارف (عام بیماریوں کے ماہر)
۱۳۔ڈاکٹر محمد طارق (ماہر امراض فیزیوتھراپی)

قاری کوثر جمال نعمانی اس دار فانی سے کوچ کر گئے

۱۵/نومبر ۲۰۱۸ء بروز پنجشنبہ جامعۃ الفلاح کے استاد جناب قاری کوثر جمال نعمانی صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف جامعہ میں سات سال سے شعبہ حفظ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔شعبہ حفظ میں ہیڈ کی ذمہ داری بھی آپ کے سر رہ چکی ہے۔تقریباً دو سال پہلے شادی ہوئی تھی۔عمر تقریباً تیس یا بتیس سال تھی۔

موصوف پندرہ دن سے بخار میں مبتلا تھے۔ٹائیفائڈ ہو گیا تھا۔قاری محمد مصطفیٰ صاحب استاد شعبہ حفظ کے ہمراہ اپنے گھر جا رہے تھے راستے میں طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

شعبہ حفظ کے اساتذہ اور جامعہ کے دس طلبہ جنازہ میں شرکت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے تھے۔اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین۔

تعزیتی نشست

۱۷/نومبر ۲۰۱۸ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں ایک تعزیتی نشست جناب قاری کوثر جمال نعمانی صاحب کے سلسلے میں منعقد ہوئی۔

جناب حافظ محمد مصطفیٰ صاحب استاذ شعبہ حفظ کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔

جناب قاری عبدالغفار قاسمی صاحب استاذ شعبہ حفظ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ قاری کوثر جمال نعمانی صاحب بہت ملنسار تھے ہر ایک کے غم کو اپنا غم سمجھتے تھے۔

مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی ندوی صاحب نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ قاری کوثر جمال

نعمانی کا تعلق علمی خانوادے سے تھا۔ شیخو پور اور مئو سے تعلیم حاصل کی وہیں سے افتاء اور دورہ حدیث بھی کیا۔ قرأت بہت اچھی تھی۔ میل جول اور معاملات ان کے بہت ٹھیک تھے۔ ہر ایک کو ان سے لگاؤ تھا۔ نہایت فیاض اور سخی تھے۔

مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی مدنی صاحب نے اپنی تعزیتی گفتگو میں فرمایا کہ قاری کوثر جمال نعمانی بہت ہی سادہ مزاج تھے۔ ان کے اندر سادگی بھی تھی۔ طلبہ کو بہت ہی محنت سے پڑھاتے تھے۔ ان کے اندر جو خوبیاں تھیں ہمیں ان خوبیوں کو اپنانا چاہیے اور اپنا احتساب مسلسل کرتے رہنا چاہیے۔ ایک دن ہمیں بھی اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔

نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نائب صدر مدرس نے انجام دیے۔

ناظم جامعہ کا ترکی کا سفر اور روداد سفر

الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین ایک عالمی ادارہ ہے، جس سے دنیا بھر کے علماء اور اسلامی اسکالر وابستہ ہیں۔ ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کے علاوہ فارغین جامعہ میں مولانا محی الدین غازی صاحب عمید کلیۃ القرآن الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم کیرلا، جناب رضوان رفیقی صاحب ہیومن ویلفیئر فاونڈیشن دہلی، اور جناب ابوالاعلی سید سبحانی رکن مرکزی مجلس شوری ایس آئی او آف انڈیا اس ادارے کے رکن ہیں۔ ماہ نومبر کی ابتدائی تاریخوں میں مولانا رحمت اللہ اثری صاحب اسی ادارے کے عالمی اجلاس منعقدہ ترکی میں شرکت کے لیے ہندوستان سے تشریف لے گئے، جبکہ باقی رفقاء اپنی مختلف مصروفیات کی وجہ سے نہیں جاسکے۔

جامعہ واپسی کے بعد ۲۴؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے روداد سفر ترکی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ترکی وہ واحد ملک ہے جس نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ ایک وقت تھا کہ ترکی میں اذان بھی ترکی زبان میں دی جاتی تھی۔ اب حالات دھیرے دھیرے بدل گئے ہیں حالانکہ ترکی میں اس وقت بھی تعلیم کا نظام صرف ترکی زبان میں ہی ہے۔

ترکی کے اعلی ذمہ داروں سے جب گفتگو یا ملاقات ہوئی تو وہ صرف ترکی زبان ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔ ترکی میں ہندوستان کے لوگ بہت خال خال ہی ملتے ہیں۔ اور اب ندوہ اصلاح جامعہ ملیہ اور

حیدرآباد و کیرلا کے لوگ پہنچ رہے ہیں۔ عمیر انس فلاحی ندوی ترکی کی ایک یونیورسٹی میں استاذ ہیں، ان سے بھی ملاقات ہوئی۔

وہاں کے طلبہ اور لوگوں کا سلوک بہت اچھا تھا۔ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ بہت ہی اچھا برتاؤ کیا۔ بڑے بزرگوں کا احترام ان کے دل میں بہت زیادہ ہے۔ بڑوں سے سیکھنے کا جذبہ ان کے اندر بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ ترکی کا نظام تعلیم اور طرز تعلیم جامعہ کے طرز پر ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں کے اساتذہ کو سلام بھیجا اور یہاں کے طلبہ کو دعاؤں سے بھی نوازا۔

ترکی اسلام کا دشمن بنا ہوا تھا لیکن حکمت کے ساتھ دھیرے دھیرے سیکولر لوگوں کو ہٹایا گیا لیکن آج بھی ایسا طبقہ موجود ہے جو سیکولر ذہن کا ہے۔ اردوغان صاحب نے بھی مدرسہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور محنت کے ذریعہ یہاں تک پہنچے۔ ترکی میں اسلام پسند اقلیت میں تھے اور محنت، جدوجہد کے ذریعہ حالات بدل گئے اسی طرح ہندوستان میں اگرچہ ہم لوگ اقلیت میں ہیں محنت اور کوشش سے ان حالات کو بدل سکتے ہیں۔

بوہرہ، عقائد اور تاریخ، کتاب کا اجراء

۲۹ رنومبر ۲۰۱۸ء بروز پنج شنبہ ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کی عربی کتاب ''البوھرۃ تاریخھا وعقائدھا'' کا اردو ترجمہ بوہرہ، عقائد اور تاریخ کا اجراء عمل میں آیا۔ ترجمہ کا کام جامعہ کے استاذ اور دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی صاحب نے انجام دیا ہے۔

سابق ناظم جامعہ مولانا طاہر مدنی صاحب کے بدست اس کتاب کا اجراء ہوا۔ کنوینر جناب مصباح الباری صاحب نے بتایا کہ بوہرہ اسماعیلی شیعوں کی ایک مشہور جماعت اور شاخ ہے۔ اس کتاب میں بوہرہ فرقے کا تعارف، تاریخ، عقائد، اسمائے ائمہ، رسوم و رواج اور ان کے مشہور دعاۃ ومؤرخین کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ فی الحال بوہرہ فرقے کی سب سے بڑی آبادی گجرات اور ممبئی میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح اعظم گڑھ ضلع کے قصبہ مبارکپور میں بھی بوہری فرقے کی آبادی ہے لیکن ان کے مذہب کے تعلق سے ہندوستان کی سنی آبادی نابلد اور ناآشنا ہے۔ اس کتاب سے اس

فرقے کو سمجھنے اور ان سے معاملات کرنے میں کافی آسانی ہوگی۔ مصنف مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے اس کتاب کے مواد کی فراہمی کے لیے مصر، پاکستان، ممبئی اور دوسری جگہوں کا سفر کیا۔ بوہروں کے مراکز، دفاتر اور مکتبات میں جا کر معلومات اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حد تو یہ ہے کہ اس فرقے کے لوگ اپنے بارے میں کسی غیر مذہب کے آدمی کو کچھ نہیں بتاتے اور دینی امور میں لب کشائی کرنے کو اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے۔

جامعہ کے فاضل استاذ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے بوہرہ فرقہ کی تاریخ اور ان کے موجودہ حالات وسرگرمیوں پر سیر حاصل گفتگو کی اور کتاب کے مصنف ومترجم کو شکریہ کا مستحق قرار دیا۔

مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے اس کتاب پر اپنے تأثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت اس کتاب کی ضرورت بہت زیادہ ہے تاکہ لوگ اس فرقے کے عقائد رسم ورواج اور تاریخ سے آگاہ ہوسکیں۔ اس فرقے کا مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کیا طرز عمل رہا ہے، یہ جاننے کی ضرورت ہے۔

ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے کلمۂ تشکر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب کو لکھنے میں انہیں کن کن صعوبت بھرے مراحل سے گزرنا پڑا اور کتنے اسفار کرنے پڑے۔ بہت سی مشہور لائبریریوں میں اس فرقے سے متعلق کتابوں کے نام فہرست کتب میں تو موجود ہیں لیکن اصل کتابیں الماریوں سے غائب ہیں۔ جو کافی حیران کن بات ہے۔ مولانا نے مترجم کا شکریہ ادا کیا۔

آخر میں مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب کے دعائیہ کلمات پر محفل رسم اجراء اختتام پذیر ہوئی۔

یہ کتاب مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

’ہم مطالعہ کیسے کریں؟‘ کے عنوان پر بصیرت افروز لیکچر

یکم دسمبر ۲۰۱۸ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کا ایک لیکچر بعنوان ’’ہم مطالعہ کیسے کریں؟‘‘ ہوا۔ مولانا نے اپنے لیکچر میں فرمایا کہ آپ کی ساری پڑھائی اور محنت کی جان مطالعہ ہے، کتابوں کو سمجھنا اور سمجھانا ایک طریقہ ہے۔ ہم علم کو کیسے سیکھیں؟ یہی مطالعہ کی اساس ہے۔ مطالعہ کے لغوی معنی ہیں طلع علیہ بادامۃ المنظر سورہ مریم میں حضرت یحییٰؑ کو مخاطب کیا گیا۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ وآتیناہ الحکم صبیا۔ مطالعہ کی کنجی اگر آپ کے ہاتھ لگ جائے تو یہی اصل کامیابی ہے جس سے کتابوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اس کی بنیاد

مطالعہ ہوتی ہے۔ ایک مقولہ ذہن نشین کر لیجئے کہ حسن السوال نصف العلم۔ اور اسی طرح اگر آپ کے سامنے کوئی ہدف ہوگا تو سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوگا اور پھر سوال کا جواب تلاش کریں گے اور راستہ آپ کے سامنے واضح ہوگا۔ مطالعہ عقل کو کشادہ کرتا ہے۔ تمام علوم کی کنجی مطالعہ ہے اور مطالعہ کا ہتھیار لغات اور ڈکشنری اور المعجم الکبیر۔ ہر لفظ کے اصل اور لغوی معنی جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ **کیف تقرأ کتابا، طریقة التعلیم** اور **فن الدراسة** یہ کتابیں اس پہلو سے نہایت اہم ہیں کہ اس میں پڑھنے اور سیکھنے اور مطالعہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ پھر مولانا نے معجم اور منجد کی بعض اصطلاحات کا تعارف کرایا۔ درسی اور غیر درسی کتاب کے مطالعہ کا مبتدی اور منتہی درجات کے طلبہ کے مطالعہ کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔ لغت ایک ایسا استاذ اور ساتھی ہے جو ہر وقت آپ کی مدد کے لیے تیار رہتا ہے۔

شیخ عبدالحمید جاسم البلالی کو استقبالیہ

۵/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ بعد نماز مغرب جامعہ کی مرکزی لائبریری ہال میں شیخ جاسم عبدالحمید البلالی کی آمد پر ایک پروگرام منعقد ہوا۔

جناب قاری عبدالباری قاسمی صاحب کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ شیخ جاسم البلالی اور شیخ یعقوب صاحب کا تعارف سابق ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے کرایا۔

شیخ جاسم عبدالحمید البلالی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ انسان عمل کرتا ہے اور اللہ اسے اجر دیتا ہے۔ علم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے اپنے پر علم دین حاصل کرنے والوں کے لیے بچھاتے ہیں۔ مغرب کے لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں وہ صرف حصول دنیا کے لیے کرتے ہیں لیکن ایک مسلمان عمل آخرت کے لیے کرتا ہے۔ اس کے سارے منصوبے آخرت کے حصول کے لیے ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام علماء اور ائمہ نے جو محنتیں کی ہیں اب ہم ان سے استشہاد کر رہے ہیں اور ان کے اثر سے استفادہ کر رہے ہیں گویا یہ صدقہ جاریہ چھوڑا جو آخرت کے لیے ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر اخلاص کے کام کرے گا تو اللہ اس کے کام میں برکت نہیں دے گا۔ اس لیے سب سے اہم چیز اخلاص ہے۔ اللہ آخرت میں کہے گا کہ بغیر اخلاص تم نے عمل کیا اس لیے اب تمہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔

مدیر الجامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کے بدست شال کے ذریعہ مہمان خصوصی کی تکریم کی گئی۔

صدارتی خطاب میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ یہ ہمارے مہمان نہیں ہیں بلکہ یہ اپنے گھر میں آئے ہیں۔ آپ کی بڑی خدمات ہیں۔ مالی اور مادی خدمات بہت ہیں۔ ناظم جامعہ نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا کہ ہم اس ادارہ میں ہر مدرسے کے فارغین ہیں جن میں فلاحی اصلاحی، ندوی، عمری، قاسمی اور مظاہری اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بس ضرورت اخلاص عمل کی ہے۔ ہم جو بھی کام کریں اس میں اخلاص ہو۔

نظامت کے فرائض صدر مدرس جناب مولانا انیس احمد مدنی فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

شیخ جاسم البلالی کلیۃ البنات میں

۶؍دسمبر ۲۰۱۸ء بروز پنج شنبہ شیخ عبدالحمید جاسم البلالی صاحب کا ایک قیمتی خطاب کلیۃ البنات میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز شبانہ محی الدین کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ مہمان خصوصی شیخ عبدالحمید جاسم البلالی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اللہ نے آپ کو دینی ماحول عطا کیا۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ قرآن نے عورتوں کے سامنے جو مثالی کیریکٹر پیش کیے ہیں ان میں ایک فرعون کی بیوی کا ہے۔ ایک خطرناک انسان کی بیوی ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالی کے احکام کی پیروی کرتی رہیں دوسرا نمونہ حضرت مریمؑ کا ہے جو عفت و پاکدامنی کی مجسم تصویر تھیں۔

دعوت کا کام صرف مردوں کا نہیں بلکہ عورتوں کا بھی ہے۔ اپنی صلاحیت اور مواقع کے لحاظ سے اس ذمہ داری کو انجام دیتی رہیں۔ لیکن اس کام میں اخلاص بھی ضروری ہے۔ بغیر اخلاص کے عمل میں جان نہیں پیدا ہوتی ہے۔

خطبہ استقبالیہ صدر معلّمہ سلمی جلیل صالحاتی صاحبہ نے پیش کیا اور ایک طالبہ نے عربی زبان میں تقریر پیش کی۔ صدارتی خطاب مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا اخلاق احمد کریمی صاحب نے انجام دیے۔ اخیر میں طالبات کی طرف سے آنے والے سوالات کے جوابات مہمان گرامی نے دیے۔

شیخ عبدالحمید جاسم بلالی کا طلبہ جامعہ سے خطاب

۶؍دسمبر ۲۰۱۸ء بروز پنج شنبہ ابواللیث ہال میں شیخ عبدالحمید جاسم البالی صاحب کا ایک محاضرہ

بعنوان ''کیف تکسب قلوب الناس؟'' ہوا۔ پروگرام کا آغاز داؤد حسین عربی پنجم کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ مہمان خصوصی کا مختصر تعارف مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی صاحب کرایا۔ شیخ عبدالحمید جاسم البلالی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے بلند رتبے پر فائز تھے۔ سب سے اہم چیز اخلاق ہے اخلاق کا مطلب ہے لوگوں کی ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا، لوگوں کے دلوں پر ہمارا اثر اس وقت ہوگا جب ہم ان کے ساتھ بہترین طریقے سے پیش آئیں گے۔ کویت کی ایک عورت نے نیپال کی ایک خادمہ کو رکھا اور پھر اس کے ساتھ بہترین رویے سے پیش آئی تو اس نے کہا کہ میں تو خادمہ ہوں لیکن اس بوڑھی عورت نے جب کہا کہ تم میری بیٹی کی طرح ہو۔ تو وہ غیر مسلم خادمہ کافی متاثر ہوئی۔ اخیر میں طلبہ کے سوالات کے مہمان نے تشفی بخش جوابات دیے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی نے انجام دیے۔

شیخ جاسم کا خطبہ جمعہ

۷/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ جامعہ کی مسجد میں خطبہ جمعہ جناب عبدالحمید جاسم البلالی صاحب کا ہوا۔

آپ نے خطبہ جمعہ میں حمد وثناء کے بعد لوگوں کو اللہ کا تقوی اختیار کرنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ ہمارا ایمان تقدیر پر ہونا چاہیے۔ کیونکہ تقدیر میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ پھر آپ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ سورہ کہف کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا۔ اور اس واقعہ میں موجود حکمتوں اور مصلحتوں پر سیر حاصل گفتگو کی۔ دوسرے خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ آزمائش کی جگہ ہے۔ محض ایمان لانے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ہمیں ایمان لانے کے بعد مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا اور سورہ عنکبوت کی ابتدائی آیات اور سورہ بقرہ کی چند آیات بطور دلیل پیش کیں۔

جامعہ کے ہسپتال میں شعبہ خواتین واطفال کا افتتاح

۷/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ جامعہ کے ہسپتال میں شعبہ خواتین واطفال کا افتتاح ہوا۔ تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ افتتاحی کلمات مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب ناظم جامعہ نے پیش کیے۔ الفلاح ہسپتال کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر عمیر صاحب نے ہسپتال کا تعارف اور اس کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ شیخ عبدالحمید جاسم البلالی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اس ہسپتال میں تعاون کر کے ہم نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کویت پہلے خوش حال ملک نہیں تھا وہاں

ایک مسجد ہے جس کی تعمیر ہندوستان کے اہل خیر حضرات نے کی تھی اور آج بھی کویت کی اس مسجد کی تختی پر یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ گویا ہم نے اس احسان کا ہلکا سا بدلہ چکانے کی کوشش کی ہے۔ اس ہسپتال کے تعلق سے ہم نے کویت کے ایک صاحب خیر سے گفتگو کی وہ اس کے لیے تیار ہو گئے اور مزید اس ہسپتال کو آگے بڑھانے کے لیے ہم کوشاں ہیں۔ جناب محمد نفیس صاحب (سماج وادی پارٹی ودھائک) نے اپنی گفتگو میں کویت سے آئے ہوئے مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دیار شبلی میں مہمانوں کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جامعہ کے اس ہسپتال سے اس علاقہ کے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ ہم سے بھی جو ہو سکے گا اس کے لیے ہم تیار ہیں۔ ہم اس ہسپتال میں اپنی طرف سے تعاون کے لیے تیار ہیں۔

نظامت اور ترجمانی کے فرائض جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے انجام دیے۔

میاں صاحب انٹر کالج میں جامعہ کے طلبہ کی نمائندگی

۶ ردسمبر ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں ایک تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی۔

جناب مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی ندوی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میاں صاحب انٹر کالج گورکھپور یوپی میں ایک مسابقہ قرأت، نعت، حدیث، کوئز اور تقریر کا صوبائی سطح پر ہوا تھا جس میں ہمارے جامعہ کے بچوں نے بہت ہی اچھی نمائندگی کی اور اچھی پوزیشن حاصل کی۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کے بدست انعامات اور توصیفی سند کی تقسیم عمل میں آئی۔

نظامت کے فرائض نائب صدر مدرس جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

اس مسابقہ میں شرکت کرنے والے طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔توثیق کلیم	عربی سوم
۲۔مجتبیٰ اللہ	عربی دوم
۳۔اسداللہ	عربی دوم
۴۔عبیداللہ ظفر	عربی دوم
۵۔عفیف سردار	عربی سوم